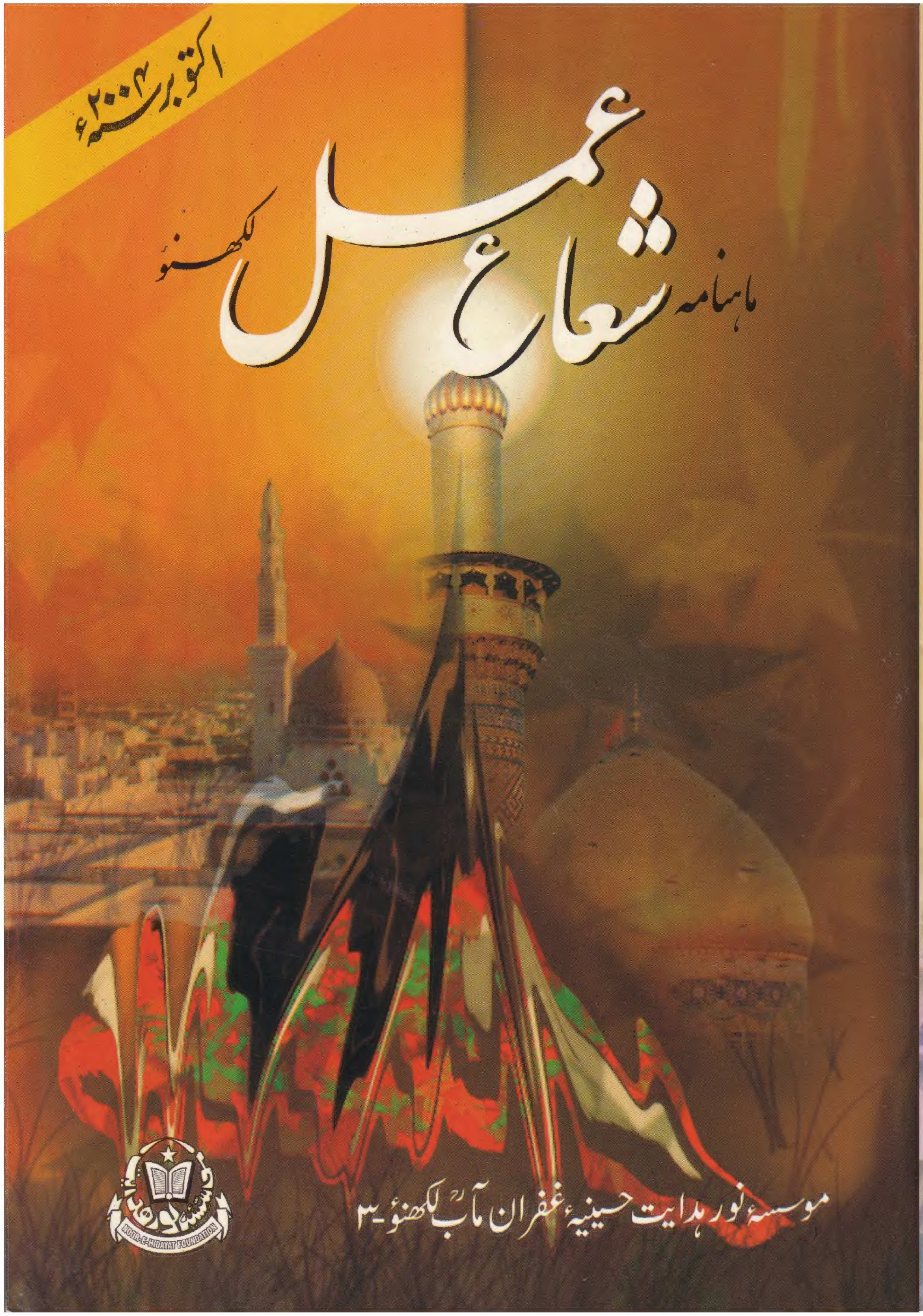

اکتوبر ۲۰۰۴ء

ماہنامہ شعاع عمل لکھنؤ

موسسۂ نور ہدایت حسینیۂ غفران مآبؒ لکھنؤ-۳

Monthly

SHUA-E-AMAL

Lucknow

शुआ-ए-अमल

हिन्दी, उर्दू मासिक पत्रिका
लखनऊ

NOOR-E-HIDAYAT FOUNDATION
Imambara Ghufran Maab, Chowk
LUCKNOW-3 (U.P.) INDIA
Phone : 2252230

فہرست مضامین

اگست ۲۰۰۴ء

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحہ نمبر
۱	سخنان	ادارہ	
۲	نزول قرآن کا مقصد	آیۃ اللہ شہید سید محمد باقر الحکیم علیہ الرحمہ	۵
۳	ہمارا پیام۔ دستور اتحاد	فیلسوف مشرق آیۃ اللہ سید محمد باقر الصدر طاب ثراہ	۱۴
۴	صاحب العصر والزمان حضرت حجۃ منتظر عجل اللہ فرجہ	آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ	۱۷
۵	الشریف	علامۂ ہندی مولانا سید احمد نقوی مجتہد طاب ثراہ	۲۴
۶	سلطنت کا ہر طریقہ شرک کی پیداوار ہے	عماد العلماء علامہ سید محمد رضی طاب ثراہ	۲۸
۷	فضائل رمضان المبارک اور روزہ کی تاریخ	آقائے شریعت مولانا سید کلب عابد قبلہ طاب ثراہ	۳۰
۸	وارث زمین کی آمد	سرکار رئیس العلماء مولانا سید کاظم نقوی صاحب مدظلہ	۳۲
۹	جہالت، بیماری اور تنگدستی	عماد العلماء علامہ ڈاکٹر سید علی محمد نقوی مدظلہ	۳۵
۱۰	انسان کامل	خطیب پاکستان مولانا حسن ظفر نقوی صاحب (کراچی)	۳۸
۱۱	آغاز کار	حجۃ الاسلام مولانا سید حسن عباس فطرت صاحب	۴۲
۱۲	ماہ صبر و شجاعت	آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی نقی النقوی طاب ثراہ	۴۶
	تقلید کیا ہے......؟	**منظومات**	
۱۳		آیۃ اللہ سید سبط حسین صاحب نقوی جائسی طاب ثراہ	۴۹
۱۴	قصیدہ	حسان الہند مولانا سید کامل حسین نقوی کاملؔ جائسی	۵۰
۱۵	ضربت حیدر	مولانا سید وجاہت حسین نقوی ناظمؔ اجتہادی	۵۱
۱۶	چودھویں کا چاند	ابو البراعہ علامہ سید ظفر مہدی نقوی گہرؔ جائسی طاب ثراہ	۵۳
۱۷	ریحانۃ الہند	سید تنویر مہدی نقوی تنویرؔ نگروری	۵۴
۱۸	در مدح سقائے حرم قمر بنی ہاشم ابوالفضل العباسؑ	نامہ نگار:- اعجاز رضوی جائسی	۵۵

سخنان

پیش نظر شمارہ جتنے دنوں سے مربوط ہے ان میں کی خاص تاریخیں اس طرح ہیں۔ ۴ یا ۱۷؍شعبان المعظم علمبردار لشکر حسینؑ سقائے حرم حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام اور ۱۵؍شعبان المعظم یوسف زہراؑ، منتقم خون شہدائے کربلا، امام عصر حضرت محمد مہدی آخرالزماں علیہ التحیۃ والثناء کی ولادت باسعادت کی تاریخ ہے۔ ۶؍رمضان یوم نزول توریت اور ۱۳؍رمضان یوم نزول انجیل ہے۔ اور ۱۰؍رمضان کو محسنۂ اسلام، مادر خاتون جنت، زوجۂ سیدالمرسلین، حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا نے دار فنا سے دار بقا کی جانب انتقال فرمایا۔

ماہ شعبان سیدالمرسلین حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب منسوب ہے۔ اس مہینہ کی تیسری تاریخ کو سیدالشہداء حضرت امام حسین اور پندرہویں شعبان کو حضرت امام عصر عجل اللہ فرجہ الشریف پیدا ہوئے ہیں۔ ماہ شعبان المعظم کو ماہ رجب المرجب پر فضیلت حاصل ہے۔ ام المومنین حضرت ام سلمہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم شعبان میں پورے ماہ روزہ رکھتے تھے اور رمضان المبارک کے روزے سے ملا دیتے تھے۔ رسول مقبول ارشاد فرماتے ہیں کہ شعبان میرا مہینہ ہے جو کوئی شعبان میں روزہ رکھے خداوند قدیر اس کی روزی میں اضافہ فرما دیتا ہے اور شر اعداء سے محفوظ رکھتا ہے خاص کر آخری تین ایام میں روزوں کی بڑی تاکید ہے۔

امام پنجم حضرت محمد باقر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ پندرہویں رات سوا شب قدر کے تمام راتوں سے افضل ہے لہٰذا اس رات میں خوب حمد و دعا کرو اور اعمال مخصوصہ بجالاؤ۔ اس رات غسل اور استغفار کرنا سنت ہے۔

یاایھاالذین آمنو اکتب علیکم الصیام

ماہ رمضان المبارک اللہ کا مہینہ ہے اور تمام مہینوں کا سردار ہے یہ برکت و رحمت کا مہینہ ہے، توبہ و استغفار کا مہینہ ہے۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں خدائے علیم نے قرآن مجید بیت المعمور میں نازل فرمایا جہاں سے تھوڑا تھوڑا قلب رسول اکرمؐ پر ۲۳ سال تک اترتا رہا اور اس ماہ کی ایک رات یعنی لیلۃ القدر کو اتنی عظمت عطا فرمائی کہ وہ ہزار مہینوں سے بہتر قرار پائی۔ اس ماہ میں ہر روزہ دار اللہ کا مہمان ہوتا ہے۔ اس ماہ کی بھوک اور پیاس میں قیامت کی بھوک اور پیاس کو یاد رکھنا چاہیئے، محتاجوں بیواؤں اور یتیموں کو صدقہ دینا چاہیئے، اپنے عزیزوں پر شفقت اور بزرگوں کی عزت کرنا چاہیئے۔ زبان کو کذب و افترا سے روکنا چاہیئے۔ ایسی چیزوں کو نہ دیکھنا چاہیئے جن کے دیکھنے سے شرع نے منع کیا ہے۔ کانوں کو ناجائز چیزوں کے سننے سے اجتناب کرنا چاہیئے اور ہر نماز کے بعد توبہ و استغفار کے ذریعہ اپنے رحیم و کریم معبود حقیقی سے بخشش کی دعا کرنی چاہیئے۔ اس ماہ میں جو شخص بغیر کسی عذر شرعی کے روزہ نہیں رکھتا وہ مردود و ملعون ہے۔ اللہ صائم سے بہت محبت رکھتا ہے حد ہے کہ اس کے منہ سے روزہ میں جو بو آتی ہے اسے بھی محبوب رکھتا ہے۔

رسول مقبولؐ نے قبل رمضان اپنے اصحاب سے فرمایا ''ایھا الناس! اللہ کا مہینہ تمہاری طرف مع برکت و رحمت و مغفرت آرہا ہے۔ یہ ایسا مہینہ ہے جو اللہ کے نزدیک سب مہینوں سے افضل ہے۔ اس کے دن تمام دنوں سے، راتیں جملہ راتوں سے اور ساعتیں کل ساعتوں سے بہتر ہیں۔ یہ وہ ماہ ہے جس میں تمہیں معبود کی مہمانی کی دعوت دی گئی ہے اور تمہیں اہل کرامت میں محسوب کیا گیا ہے۔ اس ماہ میں تمہاری سانسیں تسبیح پروردگار اور تمہارا سونا عبادت ہے۔ تمہارے اعمال مقبول اور دعائیں منظور ہیں اس لیئے تم صدق نیت کے ساتھ پاکیزہ قلب کے ذریعہ اللہ سے کہو کہ وہ

تمہیں روزہ رکھنے اور قرآن پڑھنے کی توفیق کرامت فرمائے۔ وہ شومئ قسمت کا شکار ہے جو اس پر برکت ماہ میں خدائے بزرگ کی رحمت ومغفرت سے محروم رہے۔

ایھا الناس! اس ماہ میں درہائے خلد وا ہیں لہٰذا تم اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ ان دروازوں کو تم پر بند نہ کرے اور دوزخ کے دروازے بند ہیں تم اس سے دعا کرو کہ وہ ان دروازوں کو تم پر نہ کھلنے دے۔ اس مہینے میں شیطان مقید ہوتا ہے لہٰذا معبود سے دعا کرو کہ وہ اس کو تم پر مسلط نہ ہونے دے۔

ایھا الناس! اس ماہ میں اخلاق حسنہ سے کام لینے والا منزل صراط سے بہ آسانی گذر جائے گا اگر چہ دوسروں کے قدم خطا کر جائیں گے۔ اس ماہ میں جو انسان اپنے غلام وکنیز سے کم کام لے گا معبود حقیقی اس کے حساب وکتاب کو سہل کر دے گا۔ جو شخص اپنے کو افعال قبیحہ سے دور رکھے گا خداوند عالم روز حساب اپنے غضب سے اسے محفوظ رکھے گا۔ اس مہینہ میں جو شخص یتمیٰ کی تعظیم وتکریم کرے گا رزاق غفور آخرت میں اس کو عزت بخشے گا۔ اس ماہ میں جو صلۂ رحم کرے گا اس پر کریم ورحیم کا رحم وکرم سایہ فگن رہے گا اور جو قطع رحم کرے گا تو اللہ اس کو اپنی بے پایاں رحمت سے محروم رکھے گا۔ اس مہینہ میں جو شخص قرآن مجید کی ایک آیت کی تلاوت کرے گا اس کو خالق عالم و آدم رمضان کے علاوہ کسی دوسرے ماہ میں پورے قرآن کی تلاوت کا ثواب کرامت فرمائے گا۔''

محیی الملۃ قدوۃ العلماء علیہ الرحمہ کی تحریک دینداری وبیداری

صاحب مطلع انوار مولانا الحاج مرتضیٰ حسین صاحب فاضل لکھنوی رقم سنج ہیں کہ ''مولانا بڑے فعال، بیدار مغز اور اصلاح پسند تھے۔ طلباء سے محبت فرماتے تھے۔ ہیئت میں مدرس کامل سمجھے جاتے تھے۔ وہ بیحد مصروف تھے مثلاً مسجد آصف الدولہ میں نماز جمعہ وعیدین، نواب میر اصغر حسین صاحب (نرہی) کے مینیجر، ۱۹۰۹ء سے وقف فخر الدین حسین (بہار) کے مختار تھے۔ پورے ملک سے مسائل کی دریافت وسوال وجواب، اس کے باوجود انہوں نے ملک گیر ترقی کے لئے قومی حقوق وفرائض کا جائزہ لینے اور جدید رجانات سے ہم آہنگ ہونے کی خاطر ۱۳۱۹ھ میں انجمن صدر الصدور قائم کی جو ۱۳۲۳ھ میں آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے نام سے موسوم ہوئی۔''

ماہنامہ ''معالم'' اور اخبار ''الناطق'' اور ان کے اغراض ومقاصد

آقائے قوم قدوۃ العلماء نے سب سے پہلے فقیہ اہلبیت عماد العلماء آیۃ اللہ العظمیٰ سید مصطفی المعروف بہ جناب میر آغا صاحب کے زیر صدارت انجمن صدر الصدور و کانفرنس امامیہ اثنا عشریہ قائم کی پھر موصوف ہی کی سرپرستی میں مطبع عماد الاسلام قائم کیا جس کی غرض وغایت حضرت غفرانمآبؒ وآل غفرانمآبؒ نیز دیگر علماء وفقہاء کی مفید کتابوں کی اشاعت تھی۔ مطبع بروئے کار آیا اور بہت سے تصانیف زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آئے۔ مطبع عماد الاسلام کے قیام کے بعد ۱۳۱۸ھ میں ماہوار علمی رسالہ ''معالم'' دفتر کارخانۂ عماد الاسلام سے شائع کیا جس کے مؤلف خود قدوۃ العلماء تھے اور مالک کارخانہ عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ تھے۔ اخبار ''الناطق'' کی طرح برسوں شائع ہوا جس میں عماد العلماءؒ کے فتاویٰ عموماً ابتدا میں شائع ہوتے تھے۔ ماہنامہ ''معالم'' اور اخبار ''الناطق'' میں ہر قسم کے اعلیٰ درجہ کے علمی، تاریخی، اخلاقی، تمدنی اور مذہبی مضامین اور مسائل علمی (جو مفید ہوں اور خلاف شرع ومذہب وقانون نہ ہوں) واحادیث شائع ہوتے تھے۔ یہ رسالہ واخبار ملک کے عالی خیال لوگوں کے پسندیدہ تھے اور عوام کے لئے علم وفن کے حصول وآگاہی کے ساتھ اخبار وحالات شیعیان ہند بلکہ شیعی دنیا کے اخبار وحالات سے واقفیت کا بہترین ذریعہ تھے۔

(ادارہ)

قرآن شناسی

نزول قرآن کا مقصد

آیۃ اللہ شہید سید محمد باقر الحکیم علیہ الرحمہ

ترجمہ: حجۃ الاسلام مولانا سید محمد حسن معروفی صاحب

قرآن اپنے کردار کے ضمن میں اساسی غرض کو ثابت کر دیتا ہے

عہد نبوی میں قرآنی کردار کا مطالعہ کرتے وقت نظر آتا ہے کہ اس نے مکمل تبدیلی (نظام و معاشرہ) کا مقصد ہر بُعد میں پورا کر دیا۔ قرآن نے حتی الامکان ہر جہت و سمت میں وسیع ترین پروگرام دیا ہے اور بشریت کو سیدھا راستہ دکھایا ہے اور بشریت مسلسل قرآن سے بہت کچھ حاصل کر رہی ہے۔ ایران میں امام خمینیؒ کی رہبری میں آنے والے اسلامی انقلاب نے اسلام کو برسر کار لا کر اس حقیقت کو مزید ثبوت بہم پہنچایا۔ متعدد علماء اسلام نے قرآن مجید سے تمام زندگی پر چھائے ہوئے قرآنی نظریۂ حیات کے انکشاف و اعلان پر جاندار کتابیں لکھی ہیں اور کتاب و سنت سے تفصیلات جمع کی ہیں۔

اس عہد و عصر کی تالیفات کا بہترین نمونہ استاد گرامی حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ شہید محمد باقر الصدرؒ کے رشحات قلم ہیں۔ جن نظریات کا انکشاف انہوں نے کیا ہے اس کی روشنی میں اسلامی فکر کو دوسرے افکار سے آزادی ملتی ہے اور انہیں بڑی عزت کے ساتھ عہد جدید میں سب کے سامنے رکھا جا سکتا ہے۔

درج ذیل نکات میں سے ہر نکتہ تفصیلی بحث چاہتا ہے مگر ہم سرسری نظر ڈال کر آگے بڑھیں گے۔ ناظرین ملاحظہ کرتے چلیں کہ قرآن نے کس قدر گہری تبدیلی اور ہمہ جہت تغیر برپا کیا ہے۔ یہ سب کچھ اس انقلابی مرکز۔ چھاؤنی۔ سے ہوا جس کو قرآن نے بنایا اور قرآن نے ایجاد کیا۔ پھر قرآنی سعی کے جواب میں تبدیلیوں کا جو مثبت نتیجہ حاصل ہوا وہ اپنے حجم اور کثرت کے اعتبار سے بتاتا ہے کہ قرآن کا اساسی مقصد و ہدف تھا ہی مکمل تبدیلی لانا اور لاتے رہنا۔

خدائے یگانہ و یکتہ

جزیرۂ عرب کے باشندے خدا کے عقیدے میں تباہ حال اور گھٹیا خیال اور ادنیٰ درجے کی ذہنی سطح میں تھے اور یہی عقیدہ ان کے تمام معاملات پر حاکم اور ان کے مقدر کو رخ دینے والا بھی تھا۔ وہ خالق، اللہ کو ماننے کے باوجود بت پتھر، فرشتے، جنات، ستارے کو وسیلہ قرار دیتے تھے اور یہ سب چیزیں ان کے ذہنوں پر اس طرح مسلط ہو گئی تھیں کہ وہ خالق و اللہ اور ان چیزوں کے درمیان فرق کے قائل نہ تھے۔ اور شرک و بت پرستی تو ایک ایسا اجتماعی حادثہ تھا جو ان کی زندگی کے ہر موڑ، انفرادی، معاشرتی، اقتصادی و سیاسی و شخصی قوانین و آداب میں دخیل تھا، صرف عقیدہ و عبادت ہی کرنے پر موقوف نہ تھا۔

اس ماحول میں یہودی و نصرانی تھے مگر شرک و انحراف نے انہیں اس قدر تباہ حال کر دیا تھا کہ اب یہودیت و نصرانیت مداوا کرنے سے عاجز تھی۔

''اتخذوا احبارھم و رھبانھم ارباباً من دون اللہ والمسیح ابن مریم وما امروا الا لیعبدوا

الٰهاً واحداً لا اله الا هو سبحانه
عمايشركون“ (توبہ ۳۱)

ان لوگوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو اپنا رب مان لیا اللہ کے علاوہ مسیح ابن مریم کو اپنا خدا جانا۔ حالانکہ اللہ کی عبادت کے علاوہ کسی عبادت کا حکم نہ دیا گیا تھا۔ اسی یکتا خدا کی عبادت جس کے علاوہ دوسرا خدا نہیں ہے اور وہ خدا ان تمام چیزوں سے پاک ومنزہ ہے جس کی نسبت مشرک اس کی طرف دیتے ہیں۔

”ان يدعون من دونه الا اناثا و ان يدعون الا
شيطانا مريدا ۔ لعنه الله و قال لاتخذن من
عبادک نصيبا مفروضاً۔ ولاضلنهم ولامنّينهم
ولآمرنهم فليبتّكن آذان الانعام
ولامرنهم فليغيرن خلق الله ومن يتخذ
الشيطان وليا من دون الله فقد خسر
خسرانا مبينا“ (نساء ۱۱۹-۱۱۷)

وہ اللہ کے علاوہ کسی کو نہیں پکارتے ہیں مگر دیویوں کو اور نہیں پکارتے مگر شیطان مردود کو جس پر اللہ نے لعنت کی ہے اور کہا کہ کچھ تیرے بندوں کو حصہ بناؤں گا ان کو گمراہ کروں گا اور ان کے دلوں پر آرزو اتاروں گا اور حکم دوں گا کہ چارپایوں کے کان کاٹ کر اللہ کی خلقت کو بدل دیں اور جس کسی نے اللہ کے علاوہ شیطان کو صاحب اختیار جانا اس کے لیے کھلا نقصان ہے۔

”وقالوا اتخذ الرحمٰن ولدا سبحانه بل
عباد مكرمون“ (انبیاء ۲۶)

لوگوں نے کہا کہ اللہ نے اپنے لیے لڑکا بنا لیا ہے اللہ پاک ومنزہ ہے وہ تو اس کے اچھے بندے ہیں۔

”يوم يحشرهم جميعا ثم يقول للملائكة أهؤ
لاء اياكم كانوا يعبدون
قالوا سبحانک انت ولينا من دونهم بل
كانوا يعبدون الجن اكثر هم
بهم مؤمنون“ (سبا ۴۰، ۴۱)

جس دن سب کو محشور کرے گا پھر فرشتوں سے سوال کرے گا کہ کیا یہی لوگ تھے جو تمہاری پرستش کرتے تھے۔ فرشتے جواب دیں گے تو پاک ومنزہ ہے، تو ہمارا ولی ہے، نہیں یہ لوگ جنوں کی پوجا کرتے تھے (جن کی جنس سے شیطان ہے) اور اکثر مشرک افراد اپنے معبودوں پر ایمان رکھتے تھے۔

”الا لِله الدين الخالص والذين اتخذوا من
دونه اولياء مانعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى ان الله يحكم
بينهم فى ماهم فيه يختلفون ان الله لا يهدى من هو كاذب
كفار“ (زمر ۳)

آگاہ ہو جاؤ کہ سچا دین اللہ کا دین ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کے علاوہ ولی بنائے (وہ کہتے یہ ہیں کہ) ہم ان کی پوجا نہیں کرتے مگر اس لئے کہ وہ ہم کو اللہ سے قریب تر کردیں اللہ ان کے مختلف فیہ مسائل کا فیصلہ کرے گا اللہ بہت زیادہ جھوٹ بولنے والے ناشکرے کی ہدایت نہیں کرے گا۔

”ان الذين تدعون من دون الله عباد
أمثالم فادعوهم فليستجيبوا الكم ان
كنتم صادقين“ (اعراف ۱۹۴)

اللہ کے علاوہ جن لوگوں کو بلاتے ہو وہ تمہارے ہی جیسے انسان ہیں۔ اگر تم سچے ہو تو انہیں کو پکارو وہ تمہاری دعا قبول کریں۔

اس موضوع سے متعلق قرآن کریم میں بہت سی آیتیں ہیں اور مختلف دلائل و وسائل کے ذریعہ معاشرتی فساد وخرابی کی راہ بتائی ہے۔ ان معاملات میں شرک و بت پرستی کا قصہ تو قرآن کے مرکزی مسائل بحث میں ہے۔ اور قرآن میں یہ بحث اس طرح ہے کہ اس کے جلو میں الوہیت ووحدانیت مطلقہ اپنے کمال و جمال وجلال کے ساتھ یوں جھلکتی ہے کہ انسان شرک کو اس کے ہر رنگ ونقش کے ساتھ ٹھکرا دیتا ہے۔ جہاں ذرا سا شائبۂ شرک دیکھا اور موحد ٹھٹھکا۔ کوہ صفا اور کوہ مروہ میں سعی کرتے ہوئے یہی صورت حال صدر اسلام میں پیش آئی اور قرآن مجید نے اطمینان دلایا کہ سعی شرک نہیں ہے۔

جزیرۃ العرب کے انسان شرک و گمراہی کے جس عالم میں سرگرداں تھے ان کا معاشرہ، ان کی ضمیر، ان کا مزاج جس طرح بن چکا تھا اس پر غور کیجئے اور پھر اس بے مثال، عظیم الشان، ہمہ گیر تبدیلی کو دیکھئے جو قرآن لایا تو مسئلہ کی گہرائی اور اثرات و مقاصد قرآن کی تھاہ ملنا مشکل ہوگی۔

''ان الصفا والمروۃ من شعائر اللّٰہ فمن
حج البیت او اعتمر فلا جناح علیہ ان
یطوف بھما ومن تطوع خیراً فان
اللّٰہ شاکر علیم'' (بقرہ ۱۵۸)

صفا و مروہ شعائر الٰہی میں سے ہیں لہٰذا جو بھی حج وعمرہ بجالائے اس کے لیے ان دونوں کا طواف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور جو شخص رغبت کے ساتھ کار خیر کرے تو خداوند عالم اس کا قدرداں ہے اور وہ اس کے کام سے آگاہ و عالم ہے۔ بلکہ قرآن نے مسئلہ شرک خود انسان کے نفس اور اس کے تمام تصرفات میں بھی تلاش کیا ہے اس طرح کہ اسلام سے قبل انسان کی زندگی میں جس توحید کا وجود نہ تھا اس کے لیے مختلف ابعاد کا قائل ہوا ہے جیسے کہ کمال کے لیے بھی قرآن کریم نے نئے ابعاد کا تصور دیا ہے اور اس وسیع پیمانہ پر کہ یہ سادہ لوح انسان اس کو بخوبی درک کر کے اس کے مطابق راہ اختیار کر سکے۔

انسانی کرامت اور انسانی روابط

قبائلی تعلقات اور جبر وقوت کی بنیاد پر زندگی گذارنے والے عرب انتہائی تنگ دنیا اور گھٹے گھٹے ماحول میں جی رہے تھے۔ وہ انسان کو اپنی ذات اور اپنے منافع کے نقطۂ نظر سے دیکھ رہے تھے۔ مادی اور وہمی جھروکوں سے دیکھنے والے انسانی کرامت اور اس کے امتیازات سے آنکھیں بند کر کے معاشرتی روابط پر اپنی چھاپ لگائے زندگی گذار رہے تھے۔

ان کے تصورات و رسم و رواج میں صرف ''نسب'' کا سہارا تھا جو معاشرتی ڈھانچہ بناتا تھا، مگر یہ مرکز بھی کمزور ہو کر چھوٹے سے چھوٹے گروپ بنا دیتا تھا۔ یعنی قبیلہ سے ''عشیرہ'' اور عشیرے سے ''اسرہ'' جنم لیتا تھا۔ عورتوں، غلاموں، یتیموں، کمزوروں کو مال مفت سمجھتے تھے۔

قرآن مجید اس گم شدہ انسان کو دوبارہ زندہ اور معرکۂ حیات وکرامت انسانی میں سرگرم عمل کرنے آیا اس نے کھوئی ہوئی عظمت کو پلٹایا، انسانی توانائی کی بنیادیں معاشرتی طبقات میں استوار کیں۔ وہ عورت کی شخصیت اور غلاموں کی انسانیت کو پہچنوانے کے لیے آیا۔ قرآن نے ضعیف ومحکوم افراد کے حقوق کو زندہ کیا۔ علم وتقویٰ، جہاد وعمل صالح جیسے معیار کو انسانی روابط کی بنیاد بنایا۔

''یا ایھا الناس ان خلقنا کم من ذکر و
انثیٰ و جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا

ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم، ان اللہ
علیم خبیر'' (حجرات ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تم کو زن و مرد سے پیدا کیا اور قوم و قبیلہ کی صورت دی تا کہ تم پہچانے جاؤ، لیکن تم میں سب سے اچھا اللہ کے نزدیک وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

''وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا
شھداء علی الناس ویکون الرسول
علیکم شھیدا'' (بقرہ ۱۴۳)

ہم نے تم کو امت وسط قرار دیا ہے تا کہ تم عوام کے لیے گواہ رہو اور رسول تمہارے گواہ رہیں۔

''و جاھدوا فی اللہ حق جھادہ، ھو اجتباکم وما
جعل علیکم فی الدین من حرج، ملۃ ابیکم
ابراھیم سمّاکم المسلمین من قبل و فی ھٰذا
لیکون الرسول شھیدا علیکم و تکونوا
شھیداء علی الناس فاقیموا الصلوٰۃ وآتوا
الزکاۃ واعتصموا باللہ ھو مولاکم
فنعم المولی ونعم النصیر'' (حج ۷۸)

راہ خدا میں برحق جہاد کرو اس نے تم کو چن لیا اور تمہارے دین میں حرج نہیں رکھا اور تمہارے باپ ابراہیمؑ کی دوستی اختیار کرنے کو کہا ہے۔ اس نے تم کو پہلے سے ہی مسلمانوں میں رکھا اور اس قرآن میں بھی! تا کہ رسول تمہارا گواہ رہے اور تم لوگوں پر گواہ رہو لہٰذا نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، اللہ سے متمسک رہو وہی تمہارا ولی ہے اور وہ بہترین ولی اور بہترین مددگار ہے۔

'' واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا،
واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین
قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخواناً، وکنتم علی شفا
حفرۃ من النار فانقذکم منھا کذلک یبین اللہ لکم آیاتہ
لعلکم تھتدون۔ ولتکن منکم امۃ یدعون الی
الخیر ویأمرون بالمعروف وینھون عن المنکر و
اولئک ھم المفلحون''
(آل عمران ۱۰۳، ۱۰۴)

اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور متفرق نہ ہو اور اپنے اوپر نازل ہونے والی نعمتوں کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت و محبت پیدا کی، پھر اس کی نعمت سے تم آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم جہنم کے کنارے تھے اللہ نے تم کو اس سے نجات دی اور اسی طرح اللہ اپنی نشانیوں کو بیان کرتا ہے شاید ہدایت یافتہ ہو جاؤ۔ تم کو ایسی امت میں ہونا چاہیے کہ لوگ خیر کی طرف بلاتے ہوں اور نیکیوں کا حکم اور برائیوں سے روکتے ہوں اور ایسے ہی لوگ کامیاب ہیں۔

انسانی شخصیت سے مربوط تمام مسائل کی جستجو کے بعد قرآن ایسے روابط کو وجود میں لاتا ہے جن کی بدولت بکھرے اور منتشر عرب ایک امت میں بدل گئے ایسی امت میں جو بشری خیرخواہی کی حامل ہو اور جو عالمی حکومت کی سطح پر سوچتی ہو اور ایک ایسی ہی حکومت کو وجود میں لانے کی فکر کرتی۔ قرآن اجتماعی روابط اور معاشرتی تعلقات کو ایسی منزل پر لایا جہاں عورت کو اس کے حقوق و احترامات ملے۔ حالانکہ وہ طویل تاریخ سے محروم و مظلوم تھی۔ غلاموں کو معاشرتی اعزاز دیا کہ بلند منصب حاصل کر سکیں۔ عورت اور غلام ہی نہیں تمام محرومین کو ان کے حقوق دلوائے اور نئی زندگی سے سرفراز کیا۔

''و لقد کرمنا بنی آدم و حملناھم فی البر
والبحر ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم
علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا'' (اسراء ۷۰)

ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے اور انہیں خشکی وتری پر مسلط کر دیا اور انہیں طیب و طاہر رزق دیتے ہیں اور بہت سی اپنی مخلوقات پر انہیں فضیلت دی ہے۔

زندگی کا جدید مفہوم

اہل جزیرۃ العرب دنیا کی چندروزہ زندگانی ہی کو اصل حیات سمجھ کر دن گذارتے اور قوت وطاقت، نفس پرستی، دو محور تھے جن کے گرد وہ گھومتے تھے اعلیٰ اقدار اور مثالی افکار سے خالی، تنگ نظری کا شکار، زندگی کے بارے میں یہ محدود طرز فکر زندگی میں بہت موثر تھا اور آج تک عربی انسان کی رفتار اور اس کے وجود میں یہ نظریہ گہرائی کی حد تک موثر ہے۔ قرآن نے مجید نے ان کو آفاقی تصور حیات دیا جس سے آج وہ بے خبر بن رہے ہیں۔ وہ وجود انسانی کو مادی نقطۂ نظر سے دیکھنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ جنس اور مادی آسودگی نے انہیں محدود کر رکھا ہے حالانکہ اللہ نے انہیں لامحدود قوتوں اور ذہنی بلندیوں سے مستفید ہونے کا موقع دیا ہے۔

دور جاہلیت کا انسان اس مسئلہ میں ایک پست انسان ہے۔ اس لیے مادی زندگی میں غرق اور برے اعمال کے مرتکب ہونے کو مختلف شکلوں میں بیان کیا گیا ہے جو اخلاقی وروحانی اقدار سے بہت دور ہے۔

''زین للناس حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر
المقنطرۃ من الذھب والفضۃ الخیل المسومۃ والانعام
والحرث ذلک متاع الحیاۃ الدنیا واللہ عندہ
حسن المآب'' (آل عمران ۱۱۴)

دنیا میں لوگوں کو ان کی مرغوب چیزیں (مثلاً) بیویوں، بیٹوں اور سونے چاندی کے بڑے بڑے لگے ہوئے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کے ساتھ الفت بھلی کر کے دکھادی گئی ہے۔ یہ سب دنیاوی زندگی کے (چندروزہ) فائدے ہیں اور (ہمیشہ کا) اچھا ٹھکانا تو خدا ہی کے ہاں ہے۔

''اعلموا انما الحیاۃ الدنیا لعب و لھو و
زینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد
کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج
فتراہ مصفراً ثم یکون حطاما۔۔۔'' (حدید ۲۰)

جان رکھو کہ دنیاوی زندگی محض کھیل اور تماشا اور ظاہری زینت (وآرائش) اور آپس میں ایک دوسرے پر فخر کرنا اور مال و اولاد کی ایک دوسرے سے زیادہ خواہش ہے (دنیاوی زندگی کی مثال تو) بارش کی سی مثال ہے جس کی وجہ سے کسانوں کی کھیتی (لہلہاتی اور) ان کو خوش کر دیتی ہے پھر سوکھ جاتی ہے تو تو اس کو دیکھتا ہے کہ زرد ہو جاتی ہے پھر چور چور ہو جاتی ہے۔

''زین للذین کفروا الحیاۃ الدنیا ویسخرون
من الذین آمنوا والذین اتقوا فوقھم
یوم القیامۃ'' (بقرہ ۲۱۲)

کافروں کی اختیاری زندگی کے لیے دنیا سجائی گئی ہے اور وہ مومنوں کا مذاق اڑاتے ہیں جو لوگ متقی ہیں قیامت میں وہ بلند ہیں

اس طرح ہم قرآن کریم میں دیکھتے ہیں کہ متعدد جگہوں پر اس طرح کی مادی زندگی کے تصور سے جو انحطاط، انحراف، اختلاف وجود میں آتا ہے ان کی طرف نشاندہی ہوئی ہے۔ اس بات کی تصدیق

کے لیے سورۂ بقرہ کی آیات نمبر ۸۶-۸۵ اور سورۂ نور اور سورۂ قصص کی آیت ۷۹، سورۂ توبہ کی آیت ۳۸ کو دیکھا جا سکتا ہے۔

ماحول اور فضا کی اس صورت حال میں قرآن نے وسیع پیمانے پر تبدیلیوں کا پیغام دیا، زندگی کے نئے مفہوم سے مطلع کیا اور بہت سے نئے مسائل پر سوچنے کے قابل بنایا، مثلاً زندگی کا حقیقی تصور، زندگی کا اختتام اور مقصد، زندگی میں مختلف اقدار واشیا کی اہمیت یوں واضح کی جس کے نتیجے میں بے حد وحساب گرا پڑا، گیا گذرا انسان ثواب تک پہونچنے کے لیے شہادت، ایثار، قربانی، عطا وبخشش کی طرف بڑھنے لگا۔

''یاقوم انما هذه الحیاة الدنیا متاع و ان
الاخرة هی دار القرار'' (غافر ۳۹)

اے قوم یہ زندگی متاع ناچیز کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور آخرت دار قرار ہے۔

''بل تؤثرون الحیاة الدنیا و الاخرة
خیر و ابقیٰ'' (اعلیٰ ۱۶)

بلکہ تم دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور پائدار ہے۔

''وما هذه الحیاة الدنیا الا لهو و لعب و ان الدار الاخرة لهی
الحیوان لو کانوا یعلمون'' (عنکبوت ۶۴)

دنیاوی زندگی لہو ولعب سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور اگر جانتے ہوتو دار آخرت میں حیات ہے۔

''انما مثل الحیاة الدنیا کماءٍ انزلناه من السماء
فاختلط به نبات الارض مما یأکل الناس و الانعام حتی
اذا أخذت الأرض زخرفها
وازینت وظن اهلها انهم قادرون علیها اتاها
امرنا لیلاً أو نهاراً فجعلناها حصیداً کان لم تغن بالامس
کذلک نفصل الآیات
لقوم یتفکرون'' (یونس ۲۴)

دنیا کی مثال اس پانی جیسی ہے جو آسمان سے برستا ہے اور زمین کی گھاس سے مل کر انسانوں اور جانوروں کی خوراک بنتا ہے۔ جب زمین نے اپنی زیبائی وآرائش پائی اور عوام نے اپنے کو اس پر قادر سمجھا تو اچانک رات یا دن میں ہمارا حکم ہوا اور اس کو کاٹنے کے لائق کر دیا اور ایسا خشک کر دیا کہ گویا کل اس میں کچھ نہ تھا اس طرح ہم فکر کرنے والی قوم کے لئے آیات کی تشریح کرتے ہیں۔

''یومئذ یصدر الناس اشتاتا لیروا اعمالهم
فمن یعمل مثقال ذرة خیرا یره و من یعمل
مثقال ذرة شرا یره'' (زلزال ۶، ۸)

اس دن جب لوگ قبروں سے ادھر ادھر ہو کر اپنے اعمال کو دیکھنے کے لیے نکلیں گے تو جس شخص نے ذرہ برابر کار خیر انجام دیا اس کو دیکھے گا اور جس نے ذرہ برابر کار بد انجام دیا ہے اس کو دیکھے گا۔

''ماتقدموا لانفسکم من خیر تجدوه عند الله
ان الله بما تعملون بصیر'' (بقرہ ۱۱۰)

جس نے اپنے نفس کے لئے کار خیر پہلے سے بھیج دیا ہے اسے اللہ کے پاس پائے گا جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ اس کو دیکھتا ہے۔

''واقرضوا الله قرضا حسنا و ماتقدموا لانفسکم من
خیر تجدوه عند الله هو خیرا و اعظم اجرا و
استغفروا الله ان الله غفور رحیم'' (مزمل ۲۰)

اللہ کو قرض حسنہ دو اور جو کچھ نیکیاں اپنے لئے اللہ کے

حضور میں پہلے سے بھیج دو گے، اسے اللہ کی بارگاہ سے پاؤ گے وہ خیر ہے اور اجر عظیم ہے۔ اللہ سے مغفرت چاہو اس لئے کہ اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔

ان تعلیمات نے اجتماعی زندگی پر اثرات قائم کیے اور حکومت، انتظام، جہاد، اقتصاد، عمومی وخصوصی روابط جیسے موضوعات ومسائل میں ان لوگوں کو اتنا مستحکم کیا جس کے حسین اور خوبصورت نقشے اور ضمیر انسانی کی روشنی اور گہرائی کی داستانیں تاریخ کا بہترین حصہ ہیں۔

انسانی ارادے کی آزادی

انسان کو بتوں اور طاغوتوں کی پرستش سے آزاد کرانے میں قرآن کو جو کامیابی حاصل ہوئی اسی طرح انسانی ارادے کو غلامی، شہوت، لذت، خوف سے نجات ملی۔ اب وہ دوسروں کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ارادے کو آزاد کرا سکتا ہے اور کوئی دباؤ اسے مجبور نہیں کر سکتا۔

آزادئ ارادہ واختیار کے مسئلہ کی تحقیق کے نتیجے میں آزادی حاصل ہوئی اور اسی کو انسان کی رفتار وترقی وارتقا کا بنیادی مرکز قرار دیا۔ اللہ نے انسان کو اس دنیا کی زندگی میں پیدا کیا اور اس دنیا کو اختبار وآزمائش کے لئے مختلف طبعی اجتماعی، شخصی اسباب کا نشانہ قرار دیا تاکہ انسان امتحان دے کر درجۂ کمال حاصل کر کے اپنے اختیار وآزادی سے استفادہ وارتقا حاصل کر سکے۔

''ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من
قبلکم مستھم الباساء والضراء وزلزلوا حتی یقول الرسول
والذین آمنوا معہ متی نصر اللہ الا ان
نصر اللہ قریب'' (بقرہ ۲۱۴)

کیا تم نے جنت میں داخل ہونے کا خیال کر رکھا ہے جبکہ ابھی جو چیزیں گذشتہ لوگوں پر آئی تھیں وہ تم پر نہیں آئیں۔ ان لوگوں پر سختیاں اور نقصانات وارد ہوئے اور جھٹکے کھائے یہاں تک کہ پیغمبر اور ان کے ساتھ کے مومنین نے کہا کہ اللہ کی نصرت کب پہونچے گی، آگاہ رہو اللہ کی نصرت قریب ہے۔

''احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا و
ھم لا یفتنون ولقد فتنا الذین من قبلھم
فلیعلمن اللہ الذین صدقوا ولیعلمن
الکاذبین'' (عنکبوت ۲، ۳)

کیا لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ وہ ایمان کا دعویٰ کر کے چھوٹ حاصل کر لیں گے اور انہیں آزمایا نہ جائے گا؟ یقیناً ہم نے ان لوگوں کو آزمایا ہے جو تم سے پہلے تھے تاکہ سچے جان لیے اور چھوٹے بھی خوب پہچان لیے جائیں۔

''ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا
منکم ویعلم الصابرین'' (آل عمران ۱۴۲)

کیا تم نے جنت میں داخل ہونے کا یقین کر لیا ہے۔ جب تک اللہ جہاد کرنے والوں اور صبر کرنے والوں کو نہ جان لے۔

"لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" (بقرہ ۲۵۶)

دین میں جبر نہیں ہے۔ گمراہ کے مقابلے رشد وکمال کی راہ روشن وواضح ہو چکی ہے۔

''انا ھدیناہ السبیل اما شاکرا واما کفورا'' (انسان ۳)

ہم نے انسان کو راستہ کی ہدایت کر دی ہے۔ اب وہ شکر گذار ہو یا ناشکر گذار۔ انسان کے ارادہ کے بارے میں اتنا زور اور انسان کی زندگی میں اس کی اہمیت کے بعد قرآن کریم اس ارادے کی

رشد و تکمیل اور ہر دباؤ سے آزادی دلانے نیز اس کی صحیح رہبری کے لیے آگے بڑھتا ہے اور نفس انسان میں تقویٰ کے سبب کو رشد دینے، عظیم مقاصد و اقدار کو روشن کرنے، زندگی میں انسان سے متعلق حقیقی تصور کو بتانے اور دنیاوی زندگی کے مقابلے میں آخرت کی پائدار زندگی کو اختیار کرنے پر زور دے کر انسان کے ارادے کو تقویت دی ہے۔

''ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل
احیاء عند ربھم یرزقون فرحین بما آتھم اللہ
من فضلہ ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم
من خلفھم الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون''
(آل عمران ۱۶۹، ۱۷۰)

راہ خدا میں قتل ہونے والے کے سلسلہ میں گمان نہ کرو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب سے روزی پاتے ہیں اور اللہ نے جو انہیں فضیلت دی ہے اس پر خوش ہیں اور اپنے بعد میں آنے والوں کو خوشخبری دیتے ہیں کہ ان کو کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ محزون ہوں گے۔

ارادہ وضمیر انسانی کی آزادی وارتقا کا غالباً اہم ترین لمحہ وہ تھا جب قرآن کریم نے شراب نوشی کو منع کیا اور نشے پر پابندی لگائی۔ جس معاشرے میں شراب روز مرہ کی چیز تھی، اس کی تجارت بڑے پیمانے پر ہوتی تھی، قرآن کے حکم امتناعی کے بعد مسلمانوں نے ایک دم سے ہاتھ اٹھالیا، بہت بڑا واقعہ ہے!! ـــــ یونائیٹڈ اسٹیٹ آف امریکہ نے تین سال ۱۹۲۸ء سے ۱۹۳۲ء تک اپنی پوری طاقت کے ساتھ شراب نوشی روکنا چاہی۔ امریکن کانگریس نے مشروبات پر پابندی کے متعلق بل بھی پاس کیا لیکن کوئی خاص نتیجہ نہ نکلا بلکہ حکومت اپنا قانون خود واپس لینے پر مجبور ہوگئی۔ اور یہ ملت جسے ڈر تھا کہ اس کا اغوا ہو جائے گا ''تخافون ان یتخطفکم الناس'' جب وہ اپنے ارادہ کی مالک ہوئی تو پوری دنیا کے پسماندہ انسانوں کی نگہبانی کا بیڑا اٹھا کر آگے بڑھی اور قیصر و کسریٰ جیسے طاغوتوں کے ظلم سے انسانیت کو چھڑانے میں کامیاب ہوگئی۔

طلب علم، معرفت اور کردار سازی کی طرف توجہ

انسان کی زندگی کے دو بڑے میدانوں میں قرآن نے بہت بڑی اور اہم تبدیلیاں نمایاں کیں۔ کائنات اور فطرت کی معرفت حاصل کرنے کی تحریک جس کا سرچشمہ معرفت باری ہے، دوسرے ضمیر و وجدان کی صحیح تربیت اور اسے انسانی فطرت سلیمہ کی طرف لانا تاکہ وہ عقل منطقی و عقل عملی ـــ مسئلہ معرفت وحقیقت میں ذمہ داریاں پوری کر سکے۔

اس لئے کہ انسان جن مہم ترین مسائل سے اپنی زندگی میں سامنا کرتا ہے وہ دو باتیں ہیں:

۱۔ حقیقت کی شناخت ۲۔ عدل وظلم

انسان اپنے وجود کے آغاز ہی سے مسلسل ان دو بنیادی راستوں کو اپنی زندگی میں حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور قرآن نے اس کو پوری اہمیت دی ہے اور دنیا کے عوام اور مسلمانوں کو ان کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس ضمن میں بہت سی آیتیں پیش کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً

''یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات'' (مجادلہ ۱۱)

اللہ ایمان والوں اور اہل علم کو درجہ بہ درجہ بڑھاتا ہے۔

''الم تر ان اللہ انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ

ثمرات مختلفا الوانها و
من الجبال جدد بيض و حمر مختلف
الوانها و غرابيب سود ۔ و من الناس
والدواب والانعام مختلف الوانه كذلك، انما يخشى
الله من عباده العلماء ان
الله عزيز غفور ''(فاطر ۲۷،۲۸)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور اس کے ذریعہ مختلف قسم کے میوے پیدا کئے اور پہاڑوں میں سے بہت سے راستے اور مختلف رنگ سیاہ وسفید وسرخ پیدا کئے اور انسانوں سے اور چلنے والی جنس چو پائے مختلف رنگوں میں پیدا کیے وہ سب بھی مختلف ہیں بندوں میں صرف علماء اللہ سے ڈرتے ہیں البتہ اللہ صاحب قدرت ہے اور بخشنے والا بھی ہے۔

''ومالكم لاتقاتلون فى سبيل الله
والمستضعفين من الرجال والنساء والولدان الذين
يقولون ربنا اخرجنا من هذه القرية الظالم اهلها واجعل
لنا من لدنك وليا واجعل لنا من لدنك نصيرا ''(نساء
۷۵)

تم اللہ کی راہ میں جنگ کیوں نہیں کرتے جبکہ کمزور مستضعف مرد، عورت بچے یہ کہتے ہیں: پالنے والے ہم کو اس قریہ سے، جس کے رہنے والے ظالم ہیں، باہر لا اور ہمارے لئے اپنے پاس سے ولی قرار دے اور ہمارے لئے اپنے پاس سے مددگار۔

''أذن للذين يقاتلون بانهم ظلموا وان الله
على نصرهم لقدير ''(حج ۳۹)

قتال کرنے والوں کو اجازت دی گئی ہے اس لیے کہ ان پر ظلم ہوا ہے اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

قرآن نے انسان کو زندگی میں پیش آنے والے ان اوہام وخرافات سے آزاد کیا جو اس پر مسلط ہو کر شک وشبہات پیدا کرتے تھے۔ اس کے اندرونی ضمیر کو زندہ کیا اور قلب وضمیر کی اصلاح و بہتری کے لیے وسیع تبدیلیاں فراہم کیں ۔ ان تبدیلیوں کا ردعمل مسلمانوں کی زندگی میں ابھرا، وہ ترقی یافتہ ہوئے، تھوڑی سی مدت میں وہ (آج کے) جدید علوم کے استاد مانے گئے۔ عدل وانصاف کا شعور ان ہی کے لیے بیدار کیا اور ان کی قانونی برتری بھی تسلیم کی گئی۔

معاشرتی زندگی کی تنظیم

قرآن جس معاشرے کی اصلاح یا تبدیلی کے لیے آیا تھا اس کا حال عجیب تھا۔ لاقانونیت، سرداری نظام، اختلاف وانتشار، رسم ورواج کی بے جان تقلید، سماجی ڈھانچہ اتنا کمزور تھا کہ ہلکی سی لرزش سے گر جاتا اور رنگا رنگ آقائیاں اور غلامیاں قابض ہو جاتیں۔

قرآن مجید نے مختصر سی مدت میں واقعاً معجزہ دکھا دیا۔ خصوصاً بے قابو اور بگڑے ہوئے بدترین حالات میں نظم ونسق کی بنیاد پر بڑے وسیع پیمانے پر تبدیلیاں پیدا کیں اور عوام کو کنٹرول میں لیا۔

ایک باقاعدہ نظام حکومت قائم کیا، اس کے بنیادی اصول بنائے ، اقتصادی ڈھانچہ، عوامی رابطوں اور بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت معین کی ۔ تجارت، معاہدات، عائلی قوانین، پھر ہر جگہ عبادات کی ……… ہر میدان میں اس قدر مستعد بنا دیا کہ امت ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو گئی۔

اس نئے معاشرے کو فوری طور پر داخلی اور خارجی جھٹکے کھانے پڑے، مگر استقلال اور ثابت قدمی نے کام دکھایا۔

قرآن مجید، معاشرے میں ہمہ جہت تبدیلیاں لانے کا

بقیہ صفحہ ۲۷ پر

ہمارا پیام۔ دستور اتحاد

مفکر اسلام فیلسوف مشرق آیۃ اللہ سید محمد باقر الصدر طاب ثراہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور اختلاف نہ کرو

(سورۂ آل عمران ۱۰۳)

لا یقاتلونکم جمیعا الا فی قری محصنۃ او من وراء جدر ط
باسھم بینھم شدید ط تحسبھم جمیعا و قلوبھم شتی ط ذٰلک
بانھم قوم لا یعقلون

یہ سب لوگ مل کر بھی تم سے نہیں لڑ سکتے مگر ہر طرف سے محفوظ بستیوں میں یا (شہر پناہ کی) دیواروں کی آڑ میں۔ ان کی آپس میں تو بڑھی دھاک ہے کہ تم خیال کرو گے کہ سب کے سب یک جان ہیں مگر ان کے دل ایک دوسرے سے بیگانہ ہیں کیونکہ یہ لوگ بے عقل ہیں۔

(حشر ۱۴)

اسلام کے وہ عظیم اعلانات، جن کی طرف وہ کسی وقفہ کے بغیر دعوت دیتا رہا ہے۔ ان میں سے ہر اعلان کے اندر اتحاد کا پیغام موجود ہے اور روزمرہ کی زندگی میں اسے قائم کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کے اندر طاقت و شوکت پیدا ہو اور دشمن سے معرکہ آرائی کے موقع پر فتح و غلبہ نصیب ہو۔

اور اسلام اپنے پیروکاروں کو آپس میں اتحاد قائم کرنے کی جو دعوت دیتا ہے وہ اپنی اساس و بنیاد کے اعتبار سے بھی اور ظاہری آثار و نتائج کے اعتبار سے بھی اس پیغام اتحاد سے یکسر مختلف ہے —— جس کی مغربی سرمایہ داری یا —— مارکسی اشتراکیت دعوت دیتی ہے۔

سرمایہ دارانہ معاشرہ میں ظاہری طور سے سماجی اتحاد نظر آتا ہے، لیکن وہ صرف شخصی، گروہی یا طبقاتی مفادات کے تحت قائم ہے۔

اگر کسی وقت بھی ان میں سے کسی کے مفاد کو زک پہنچی تو اس اتحاد میں رخنے پڑ جائیں گے، اختلافات نمایاں ہو جائیں گے اور یہ بات واضح ہو جائے گی کہ وہ ظاہری اتحاد ایک پرفریب سراب سے زیادہ کچھ نہ تھا۔ جس کی سب سے روشن مثال ”فرانس“ ہے۔ جو مغربی تہذیب کا بہت بڑا علمبردار ہے۔ لیکن اس کی زندگی کے نازک ترین لمحات میں اس کا قومی اتحاد اس طرح پارہ پارہ ہوا کہ —— نتیجتاً چند گھنٹوں کے اندر اندر اسے جرمنی کی فوجوں کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ اسی طرح سوشلسٹ معاشروں اور ان کے قبل فاشزم کی راہ پر چلنے والوں اور نازیوں کے یہاں بھی ظاہری طور پر سماجی اتحاد نظر آتا ہے۔ لیکن —— یہ دور سے نظر آنے والا ہے فرضی اتحاد ہے؛ جس میں ہر انسان کی انفرادی قدر و قیمت اور اسے ذاتی طور سے جو مواقع حاصل ہونے چاہئیں جن میں وہ آزادی سے آگے بڑھ سکے اور اپنی تمام صلاحیتوں کو پروان چڑھا سکے —— ان تمام باتوں کا انکار پوشیدہ ہے۔

یہ اتحاد لوگوں کی مرضی و اختیار کے بجائے جبر و اکراہ پر قائم ہے۔ بالفاظ دیگر یہ ایسا اتحاد ہے جو حکومت کے شکنجہ کی وجہ سے قائم ہے۔ دل و دماغ سے ابلنے والے شعور و ادراک کے چشموں سے

اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے ادراک ذات رکھنے والے افراد کو جیسے ہی موقع ملا، پہلی فرصت میں اس ظاہری اتحاد کا محل چکنا چور ہو جائے گا۔

کیونکہ ہر وہ اتحاد جو انسان کے ضمیر و وجدان کے مطابق نہ ہو اور جسے لوگوں نے دل سے قبول نہ کیا ہو، وہ فریب ہے جس کا پردہ ایک نہ ایک دن چاک ہو کر رہے گا۔

حقیقی اتحاد وہ ہے جس کی ضرورت کو لوگ دل کی گہرائیوں سے محسوس کریں اور جو لوگوں کے درمیان الفت و محبت کے گہرے رشتوں کو استوار کردے۔ اور صرف دین و مذہب کی بنیاد پر قائم ہونے والا اتحاد ہی دل کی گہرائیوں میں پنپ سکتا ہے اور راسخ بھی رہ سکتا ہے۔

کیونکہ افراد، جماعتوں اور طبقات کے مفادات ایک دوسرے سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں یہ اتحاد قائم رہ سکتا ہے۔ چونکہ اس اتحاد کی بنیاد سب میں مشترک ہوتی ہے اس لیے سب کے اندر مستحکم بھی رہ سکتی ہے۔

یہی وہ اتحاد ہے جسے قائم کرنے کی دعوت خداوند عالم اپنے متقی و پرہیزگار بندوں کو دیتا ہے کیونکہ ـــ یہ اتحاد نہ تو مفادات کی بنا پر ہے اور نہ حکومتی شکنجہ کی وجہ سے ہے۔ بلکہ یہ وہ اتحاد ہے جس کے چشمے خداوند عالم پر ایمان رکھنے والوں اس کی خاطر عمل کرنے والوں اور اس کی طرف دعوت دینے والوں کے دل سے ابلتے ہیں۔ اسلام جس اتحاد کی دعوت دیتا ہے وہ انسانی زندگی کے دوش بدوش چلنے والا ہے یہ اتحاد وہ ہے جو، انسان کی انفرادی شخصیت کو نشو و نما پانے کا موقع دیتا ہے۔ پیداوار بڑھانے، چیزیں ایجاد کرنے اور نئی نئی راہیں کھولنے کے وسائل بھی فراہم کرتا ہے اور توانائیوں کے درمیان اس طرح توازن بھی قائم کرتا ہے کہ نہ کوئی طاقت دوسری طاقت کو مغلوب کر سکے اور نہ ایک کی صلاحیت دوسرے پر تسلط حاصل کر سکے۔

اسلام حقائق کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دے کر سماجی ڈھانچہ کے اندر اس طرح نظر انداز نہیں کر دیتا کہ مخالف عناصر اسے چیلنج کر دیں بلکہ وہ اس اتحاد کو دوام و استحکام بخشنے والے اسباب بھی فراہم کرتا ہے۔ وہ لوگوں کے تمام انفرادی، طبقاتی اور عمومی و اجتماعی مفادات و مصالح میں نظم و ضبط اور ہم آہنگی پیدا کرتا ہے تا کہ تصادم کی نوبت ہی نہ آنے پائے جس کی وجہ سے قوم ٹکڑوں میں بٹ کر بکھر جائے۔

اسلامی قانون میں ان تمام امور پر بھرپور توجہ دے کر ہر مسئلہ کا عادلانہ حل تجویز کیا گیا ہے، اس کے بعد اتحاد کی دعوت دی گئی ہے۔

دل سے پیدا ہونے والی یہ وحدت صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ ماضی کے وہ تمام صاحبان ایمان بھی جو آسمانی پیغام کو دل سے تسلیم کرتے ہیں اس دائرہ میں شامل ہیں۔ ان میں بھی آپس میں اتحاد شخصی مصلحتوں اور مفادات کے تابع نہیں تھا بلکہ دل کی گہرائیوں سے تھا۔ البتہ مسلمانوں کے باہمی اتحاد کا خوبصورت ترین مظاہرہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں ہوا پھر مسلمانوں کے دینی رہنماؤں نے جن کے راس و رئیس حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام تھے، باہمی اتحاد کی حتی الامکان حفاظت کی۔

اسی باہمی اتحاد کی وجہ سے عہد پیغمبرؐ میں مسلمانوں کو اپنے بکثرت دشمنوں پر بالادستی حاصل ہوئی جبکہ دشمنوں کی حالت مختلف تھی ان کے نفوس پراگندہ اور دل منتشر تھے، ہر شخص کی اپنی

غرض اور ہر قلب میں ہوس بھری ہوئی تھی۔ چنانچہ خداوند عالم نے اسلام کے دیرینہ دشمن یہودیوں کی مذمت کرتے ہوئے ان کے باہمی اختلاف اور اس سے پیدا ہونے والی کمزوری کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشادفرمایاہے:

باسهم بينهم شديد تحسبهم جميعا و قلوبهم شتّٰى

''ان میں آپس میں سخت جنگ وجدال ہے تم لوگ انہیں متحد سمجھتے ہو لیکن ان کے دل پراگندہ ہیں۔''

جبکہ دوسری طرف —— اس وقت کے مسلمانوں کی کیفیت یہ تھی کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنے تھے چنانچہ ارشادقدرت ہے:

''ان اللّٰہ یحب الذین یقاتلون فی سبیله صفا کانهم بنیان مرصوص''

''خداوند عالم ان مجاہدین کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح صفہ بستہ ہو کر لڑتے ہیں جیسے وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں۔''

ظاہر میں بھی سیسہ پلائی ہوئی دیوار! اور —— باطن میں بھی سیسہ پلائی ہوئی دیوار——!!

حیات و کائنات اور انسان کے بارے مین جن کا ایک ہی نقطۂ نظر ہو اور مسائل ومقاصد میں جن کا ایک ہی تصور!!

لیکن ان زرق برق مسلمانوں کی صورتحال اس وقت دگرگوں ہوگئی جب انہوں نے اپنی روش بدل دی، اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے، اسلام کے علاوہ دوسری تحریکوں نے ان کے دل و دماغ کو پراگندہ کر دیا اور اسلام کے علاوہ دوسرے مقاصد نے ان کی امنگوں پر قبضہ کرلیا۔ قرآن صدیوں پہلے ہی اعلان کر چکا ہے کہ:

''خداوند عالم کسی قوم کی نعمتوں کا رخ اس وقت تک (دوسری طرف) نہیں موڑتا جب تک وہ خود اپنی روش نہ بدل لیں۔'' (انفال ۵۳)

آج اسلامی وجود کو دنیا کے نقشہ پر نہایت ہولناک صورتحال کا سامنا ہے۔ سامراجی طاقتیں، کینہ پرور صیہونزم اور ملحدانہ مادی تحریکیں یلغار کر رہی ہیں اور مسلمان ہر جگہ ٹکڑوں میں بٹے ہوئے ہیں

گمراہ کن تحریکیں، نسل جدید کو گروہوں میں بانٹ کر اسلام سے دور کر رہی ہیں اور بت پرستانہ خیالات وتصورات ان کے درمیان آپس میں ایسی دیواریں کھڑی کر رہے ہیں جو ان کے نظریات پر بھی اثر انداز ہوں اور احساسات پر بھی ——!

بہت سے مسلمان معاشروں میں سامراج اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو چکا ہے کہ لوگوں کی موجودہ زندگی ایسے اصول وطریقے پر ڈھال دی جائے کہ یہ معاشرے اسلام سے قبل والی کافرانہ حالت پر پلٹ جائیں اور بہت سے مسلمان معاشروں میں قدیم زمانۂ جاہلیت کے بتوں جیسی شخصیتوں کو زندہ کر کے انہیں ان معاشروں اور اسلامی اقدار کے درمیان حائل کر دیا گیا ہے۔

اور جب ان کے دل ودماغ؛ اسلام کے اغراض ومقاصد کی طرف مائل ہوئے تو ان کے اتحاد کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔

آج ایک طرف مسلمانوں کے اختلاف، افتراق اور ان کے دل ودماغ کی یہ حالت ہے اور؛ دوسری طرف —— عالم اسلام کے قلب میں فلسطین کی سرزمین پر؛ لوگوں کا ایک ٹولہ —— جن کا نہ وطن ایک تھا، نہ زبان، نہ ثقافت، نہ عادتیں، نہ رسم ورواج۔ دنیا کے مختلف علاقوں سے آ کر اپنا مستقل وجود اور اپنی ایک امتیازی حیثیت ساری دنیا سے تسلیم کرا رہا ہے۔

جو صرف اور صرف اپنے مذہب کی بنیاد پر وہاں جمع ہوئے ہیں۔ وہ اپنی زندگی کے تمام مظاہر میں اسی مذہب کی چھاپ

بقیہ صفحہ ۳۱ پر

بارہویں امام

صاحب العصر والزمان حضرت حجت منتظر عجل اللہ فرجہ

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء مولانا سید علی نقوی النقوی طاب ثراہ

نام ونسب :- جو اپنے جد بزرگوار حضرت پیغمبر خدا کے بالکل ہم نام اور صورت وشکل میں ہو بہو ان کی تصویر ہیں۔ والدۂ گرامی آپ کی نرجس خاتون قیصر روم کی پوتی اور شمعون وصی حضرت عیسیٰ کی اولاد سے تھیں۔ امام حسن عسکریؑ کی ہدایت سے حضرت کی بزرگ مرتبت ہمشیرہ حلیمہ خاتون نے ان کو مسائل دینیہ واحکام شرعیہ کی تعلیم دی تھی۔

القاب و خطابات :- غالباً ائمہ معصومینؑ میں حضرت علی ابن ابیطالبؑ کے بعد سب سے زیادہ القاب ہمارے امام عصرؑ کے ہیں جن میں زیادہ مشہور ذیل کے خطابات ہیں:

۱۔**المہدی:** یہ ایسا خطاب ہے جو نام کا قائم مقام بن گیا ہے اور پیشینگوئیاں جو آپ کے وجود سے متعلق پیغمبر اکرمؐ اور دیگر ائمہ معصومینؑ کی زبان پر آئی ہیں وہ زیادہ تر اس لفظ کے ساتھ ہیں اور اسی لئے آنے والے مہدی کا اقرار تقریباً ضروریات اسلام میں داخل ہو گیا ہے جس میں اگر اختلاف ہو سکتا ہے تو اوصاف وحالات کی تعیین میں لیکن اصل مہدی کے ظہور کا عقیدہ مسلمانوں میں ہر شخص کو رکھنا لازمی ہے۔

ان حضرات کا ذکر نہیں جو اپنے کو مسلمان صرف سوسائٹی کے اثر یا سیاسی مصلحتوں سے کہتے ہیں مگر ان کے دل میں حاضر وناظر معدلت پسند رب الارباب کا عقیدہ ہی موجود نہیں تو اس کے رسولؐ کی کسی ایسی خبر غیبی کی تصدیق جو ابھی وقوع میں نہیں آئی ان کے حاشیۂ خیال میں کہاں جگہ پا سکتی ہے۔

’مہدی‘ کے لفظ کے معنی ”ہدایت پائے ہوئے“ کے ہیں اس لحاظ سے کہ ’اصل ہادی‘ (راستہ بتانے والی) ذات خالق ہے جس کے لحاظ سے خود پیغمبرؐ سے خطاب کر کے قرآن کریم میں یہ آیت آئی ہے (انک لاتھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء) تمہارے بس کی بات نہیں ہے کہ جس کو چاہو تم ہدایت کر دو بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور اسی اعتبار سے سورۂ الحمد میں بارگاہ الٰہی میں دعا کی گئی ہے اھدنا الصراط المستقیم ہم کو سیدھے راستے پر لگا دے۔ اس فقرہ کو خود پیغمبرؐ اور ائمہ معصومینؑ بھی اپنی زبان پر جاری کرتے تھے اس لئے خداوند عالم کی ہدایت کے لحاظ سے ان رہنمایان دین کو مہدی کہنا صحیح تھا۔ جو صفت کے لحاظ سے سب ہی بزرگوار تھے اور خطاب کے لحاظ سے ”حضرت امام منتظرؑ“ کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔

۲۔**القائم:** یہ لقب ان احادیث سے ماخوذ ہے جس میں جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”دنیا ختم نہیں ہو سکتی جب تک میری اولاد میں سے ایک شخص قائم نہ کھڑا ہو جو دنیا کو عدل وانصاف سے بھر دے۔“

۳۔**صاحب الزمان:** اس اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ

آپ ہمارے زمانے کے رہنمائے حقیقی ہیں۔

۴۔ **حجت خدا:** ہر نبی اور ہر امام اپنے دور میں خالق کی حجت ہوتا ہے جس کے ذریعہ سے ہدایت کی ذمہ داری جو اللہ پر ہے وہ پوری ہوتی ہے اور بندوں کے پاس اپنی کوتاہیوں کے جواز کی کوئی سند نہیں رہتی۔ چونکہ ہمارے زمانہ میں رہنمائی خلق کی ذمہ داری حضرت کے ذریعہ سے پوری ہوئی ہے اس لئے قیام قیامت تک ''حجت خدا'' آپ ہیں۔

۵۔ **منتظر:** چونکہ امام مہدی کے ظہور کی بشارتیں برابر رہنمایان دین دیتے رہے ہیں یہاں تک کہ صرف مسلمانوں میں نہیں بلکہ دوسرے مذاہب میں بھی چاہے نام کوئی دوسرا ہو مگر ایک آنے والے کا آخر زمانہ میں انتظار ہے ولادت کے قبل سے پیدائش کا انتظار رہا اور اب غیبت کے بعد دنیا کو ظہور کا انتظار ہے۔ اس لئے آپ خود حضرت، حکم الٰہی کے منتظر ہوتے ہوئے اور تمام خلق کے لئے منتظر یعنی مرکز انتظار ہیں۔

پیشین گوئیاں:- آپ کے دنیا میں آنے سے پہلے پیشین گوئی متواتر طریقہ سے پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ معصومینؑ کی زبانوں پر آتی رہی تھی جن میں سے ہر معصوم کی صرف ایک خبر اس موقع پر درج کی جاتی ہے۔

حضرت خاتم النبیین محمد مصطفیؐ: حضرتؐ کی زبان مبارک سے احادیث اس کثرت سے اس موضوع پر وارد ہوئے ہیں کہ صحاح و مسانید ان سے مملو ہیں اور متعدد علمائے اہل سنت نے ان کو مستقل تصانیف میں جمع کیا ہے جیسے حافظ بن یوسف گنجی شافعی نے ''البیان فی اخبار صاحب الزمان'' میں، حافظ ابونعیم اصفہانی نے ذکر ''نعت المہدی'' اس کے علاوہ ابوداؤد سجستانی نے اپنے سنن میں جس کا صحاح ستہ میں شمار ہوتا ہے کتاب ''المہدی'' کا مستقل عنوان قائم کیا ہے اسی طرح ترمذی نے ''صحیح'' میں اور ابن ماجہ قزوینی نے اپنی کتاب ''سنن'' میں اور حاکم نے ''مستدرک'' میں بھی ان احادیث کو وارد کیا ہے۔

صرف ایک حدیث یہاں درج کی جاتی ہے جسے محمد بن ابراہیم حموی شافعی نے اپنی کتاب ''فرائد السمطین'' میں درج کیا ہے وہ یہ ہے کہ ابن عباس نے روایت کی ہے کہ حضرت رسولؐ خدا نے فرمایا: **انا السید النبیین و علی سید الوصیین و الاوصیائی بعدی اثنا عشر اولهم علی و آخرهم المهدی۔** میں انبیاء کا سردار ہوں اور علیؑ اوصیاء کے سردار ہیں۔ میرے اوصیاء (قائم مقام) میرے بعد بارہ ہوں گے جن میں اول علیؑ ہیں اور آخری مہدیؑ ہوں گے۔

حضرت سیدۃ النساء فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا: کافی کلینی میں جابر بن عبداللہ انصاری کی روایت ہے کہ حضرت فاطمہ زہراؑ کے پاس ایک لوح تھی جس میں تمام اوصیاء و ائمہ کے نام درج تھے۔ جناب سیدہؑ نے اس لوح سے بارہ اماموں کے ناموں کی خبر دی جن میں سے تین محمد تھے اور چار علیؑ ان کی آخری فرد آپ کی اولاد میں سے وہ ذات ہے جو قائمؑ ہوگی۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ: جناب شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی نے ''اکمال الدین'' میں امام رضاؑ کی حدیث آپ کے آبائے طاہرین کے ذریعہ سے نقل کی ہے کہ جناب امیرؑ نے اپنے فرزند امام حسینؑ کو مخاطب کر کے فرمایا ''تیری نسل میں سے نواں وہ ہے جو حق کے ساتھ قائم دین کا ظاہر کرنے والا اور عدل و انصاف کا پھیلانے والا ہوگا۔''

امام حسن مجتبیٰ: اکمال الدین صدوق ''میرے بھائی حسینؑ کی نسل سے نواں جب پیدا ہوگا تو خداوند عالم اس کی عمر کو غیبت

کی حالت میں طولانی کرے گا پھر جب وقت آئے گا تو اسے اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر فرمائے گا۔

سید الشہداء امام حسینؑ: نواں میری نسل سے وہ امام ہے جو حق کے ساتھ قائم ہوگا جس کے ذریعہ سے اللہ زمین کو موت کے بعد زندگی عطا کرے گا اور جس کے ذریعہ سے دین حق کو تمام مذاہب پر غلبہ حاصل ہوگا۔ اس کی ایک طولانی غیبت ہوگی جس میں بہت سے گمراہ ہو جائیں گے اور کچھ ثابت قدم رہیں گے جنہیں ایذائیں برداشت کرنا پڑیں گی اور ان سے لوگ کہیں گے کہ اگر سچے ہو تو بتاؤ یہ وعدہ پورا کب ہوگا جو اس غیبت کے زمانہ میں اس اذیت اور انکار پر صبر کریں گے انہیں رسولؐ کے ہمراہ رکاب جہاد کرنے کا ثواب حاصل ہوگا

امام زین العابدینؑ: ہم میں سے قائم وہ ہوگا جس کی ولادت لوگوں سے پوشیدہ رہے گی یہاں تک کہ عام لوگ کہیں گے وہ پیدا ہی نہیں ہوا۔

امام محمد باقرؑ: کافی کلینی ''حسینؑ کے بعد نو امام معین ہیں جن میں سے نواں امام قائم ہوگا۔''

امام جعفر صادقؑ: علل الشرائع شیخ صدوق میں روایت ہے فرمایا حضرت نے کہ ''میرے موسیٰ فرزند کی نسل سے پانچواں قائم آل محمدؐ ہوگا۔''

امام موسیٰ کاظمؑ: اکمال الدین صدوق ''کسی نے امام موسیٰ کاظمؑ سے کہا کہ کیا آپ قائم بحق ہیں حضرت نے فرمایا حق کے ساتھ قائم و برقرار تو میں بھی ہوں مگر اصل میں قائم وہ ہوگا جو زمین کو دشمنان خدا سے پاک کر دے گا اور اسے عدل و انصاف سے مملو کر دے گا۔ وہ میری اولاد میں سے پانچواں شخص ہوگا اس کی ایک طولانی غیبت ہوگی جس میں بہت سے مرتد ہو جائیں گے اور کچھ لوگ ثابت قدم رہیں گے۔''

امام رضاؑ: دعبلؒ نے آپ کے سامنے جب اپنا مشہور قصیدہ پڑھا اور اس میں ان دو شعروں تک پہونچے

خروج الامام لا محالة قائم
یقوم علیٰ اسم اللّٰہ والبرکات
یمین تینا کل حق و باطل
و یجزی علیٰ النعماء والنقمات

زمانہ میں ظہور قائمؑ آل عبا ہو گا
مدد سے جو خدا کے نام و برکت کی کھڑا ہوگا
جہاں میں امتیاز حق و باطل آکے کردیگا
وہ دے گا مومن و کافر کو ہر کردار کا بدلا

یہ سنتے ہی امام رضاؑ نے گریہ فرمایا اور پھر سر اٹھا کر کہا اے دعبلؒ ''یہ شعر تمہاری زبان پر روح القدس نے جاری کرائے ہیں تمہیں معلوم بھی ہے کہ یہ امام کون ہے اور کب کھڑا ہوگا دعبل نے کہا یہ تفصیلات تو مجھے معلوم نہیں مگر میں یہ سنتا رہا ہوں کہ آپ میں ایک امام ایسا ہوگا جو زمین کو فساد سے پاک اور عدل و انصاف سے مملو کر دے گا حضرت نے فرمایا اے دعبل میرے بعد امام میرا فرزند محمدؑ ہوگا اور اس کے بعد اس کا فرزند علی اور علی کے بعد اس کا فرزند حسن اور حسن کے بعد اس کا بیٹا قائم ہوگا جس کی غیبت کے دور میں اس کا انتظار رہے اور ظہور کے موقع پر دنیا اس کے سامنے سر تسلیم خم کرے گی۔''

امام محمد تقیؑ: قائم ہم میں سے وہی مہدی ہوگا جو میری نسل میں تیسرا ہوگا۔

امام علی نقیؑ: میرا جانشین تو بعد میرے میرا فرزند حسنؑ ہے مگر اس کے جانشین کے دور میں تمہارا کیا عالم ہوگا سننے والوں نے

پوچھا کہ کیوں؟ اس کا کیا مطلب؟ فرمایا اس لئے کہ تمہیں اسے دیکھنے کا موقع نہ ملے گا بعد اس کے نام تک لینے کی اجازت نہ ہوگی۔ عرض کیا گیا پھر ان کا نام کس طرح لیا جائے گا فرمایا بس یوں کہنا کہ ”الحجة من آل محمد“

امام حسن عسکریؑ: حضرت سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کے آبائے طاہرینؑ نے یہ فرمایا ہے کہ زمین حجت خدا سے قیامت تک کبھی خالی نہیں ہوسکتی؟ اور جو مر جائے اور اپنے امام زمانہ کی اسے معرفت حاصل نہ ہوئی ہو وہ جاہلیت کی موت دنیا سے گیا؟ آپ نے فرمایا کہ ”بیشک یہ اسی طرح حق ہے جس طرح روز روشن حق ہوتا ہے“ عرض کیا گیا کہ پھر حضور کے بعد حجت خدا اور امام کون ہوگا فرمایا ”میرا فرزند جو پیغمبرؐ خدا کا ہم نام ہے میرے بعد امام و حجت ہوگا جو شخص بغیر اس کی معرفت حاصل کیے ہوئے دنیا سے اٹھا وہ جاہلیت کی موت مرا بیشک اس کی غیبت کا دور اتنا طولانی ہوگا جس میں جاہل لوگ حیران اور سرگردان پھریں گے اور باطل پرست ہلاکت ابدی میں گرفتار ہوں گے اور وقت مقرر کر کے پیشین گوئیاں کرنے والے غلط گو ہوں گے۔“

نتیجہ:- ان تمام احادیث سے معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ اسلام کے وقت سے لے کر برابر ہر دور میں اس ذات کی خبر دی جاتی رہی تھی جو ”مہدی دین“ ہوگا بلکہ دعبل کی روایت سے ظاہر ہے کہ یہ امر اتنا مشہور تھا کہ شعراء تک اسے نظم کرتے تھے اس کے ساتھ تواریخ پر نظر کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوست و دشمن سب ان حدیثوں سے واقف تھے یہاں تک کہ بسا اوقات ان سے غلط فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے چنانچہ سلسلۂ عباسیہ میں سے **محمد** نام جس کا تھا اس نے پنا لقب مہدی اسی لئے اختیار کیا اور نسل امام حسنؑ سے عبداللہ محض کے فرزند **محمد** کے متعلق بھی مہدی ہونے کا عقیدہ قائم کیا گیا اور ”کیسانیہ“ نے محمد بن حنفیہ کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا مگر ائمہ اہل بیتؑ میں سے ایک معصوم ہستی کا اسی وقت پر وجود خود ان خیالات کو روکنے کے لئے کافی تھا اور یہ حضرات ان غلط دعویداروں کے دعاوی کے غلط بتانے کے ساتھ اصل ”مہدی“ کے اوصاف اور اس کی غیبت کا تذکرہ برابر کرتے رہے اس سے یہ حقیقت صاف ظاہر ہوگئی کہ اصل ”مہدی“ کی تشریف آوری کا انتظار متفقہ طور پر موجود تھا اس کے ساتھ پیغمبرؐ کی وہ حدیثیں بھی متواتر صورت سے موجود تھیں کہ میرے اولاد میں بارہ جانشین میرے ہوں گے اور یہ تعداد خود ان غلط مدعیوں کے دعوے کے بطلان کے لیے کافی تھی لیکن اب جبکہ امام حسن عسکریؑ تک گیارہ کی تعداد ائمہ کی پوری ہوگئی تو دنیا بے چینی کے ساتھ اس امام کی طلبگار ہوگئی جو اپنی پیدائش کے قبل بھی ”منتظر“ تھا اور پیدائش کے بعد بھی غیبت کی بناء پر مصلحت الٰہی کے تقاضہ تک منتظر رہنے والا تھا۔

ولادت:- وہ وقت جس کا معصومینؑ کو انتظار تھا، آخر کو آ ہی گیا اور پندرہ شعبان ۲۵۵ھ کی رات کو سامرے میں اس مبارک و مقدس بچے کی ولادت ہوئی۔ امام حسن عسکریؑ نے اس موقع پر کافی مقدار میں روٹیاں اور گوشت راہ خدا میں صدقہ کرایا اور عقیقہ میں کئی بکروں کی قربانی فرمائی۔

نشو و نما اور تربیت:- ائمہ اہلبیتؑ میں یہ کوئی نئی بات نہیں کہ ان کو ظاہری حیثیت سے تعلیم و تربیت کا موقع حاصل نہ ہو سکا ہو اور وہ بچپن ہی میں قدرت کی طرف سے انتظام خاص کے ساتھ کمالات کے جوہر سے آراستہ کر کے امامت کے درجہ پر فائز کر دیئے گئے ہوں۔ اس کی نظیریں حضرت امام منتظرؑ کے پہلے بھی کئی سامنے آچکی تھیں جیسے آپ کے جد بزرگوار حضرت امام علی نقیؑ جن کی عمر اپنے

والدامام محمد تقیؑ کی وفات کے وقت چھ برس اور چند مہینہ سے زیادہ نہ تھی اوراس کے پہلے امام محمد تقیؑ جن کی عمر اپنے والد امام رضاؑ کے انتقال کے وقت آٹھ برس سے زیادہ نہ تھی ظاہر ہے کہ یہ مدت عام افراد کے لحاظ سے بظاہر اسباب نشوونما اور تعلیم وتربیت کے لئے ناکافی ہے مگر جب خالق کی مخصوص عطا کو ان حضرات کے بارے میں تسلیم کرلیا تو اب سات اور چھ اور پانچ برس کے فرق کا بھی کوئی سوال باقی نہیں رہ سکتا اگر سات برس کے سن میں امامت کا منصب حاصل ہوسکتا ہے اور چھ برس کے سن میں حاصل ہوسکتا ہے جس کی نظیریں قبل کے اماموں کے یہاں دنیا کی آنکھوں کے سامنے آچکیں تو پانچ یا چار برس میں بھی یہ منصب اسی طرح حاصل ہوسکتا ہے اوراس میں کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے۔

بارہویں امامؑ کو اپنے والد کی آغوش شفقت وتربیت سے بہت کم عمر میں جدا ہونا پڑا یعنی شعبان ۲۵۵ھ میں آپ کی ولادت ہوئی اور ربیع الاول ۲۶۰ھ میں آپ کے والد بزرگوار حضرت امام حسن عسکریؑ کی وفات ہوگئی اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی عمر اس وقت صرف ساڑھے چار برس کی تھی اوراسی کمسنی میں آپ کے سر پر خالق کی طرف سے امامت کا تاج رکھ دیا گیا۔

حکومت وقت کا تجسس :- بالکل اسی طرح جیسے فرعون مصر نے یہ پیشین گوئی سن لی تھی کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والا ایک بچہ میرے ملک کی تباہی کا باعث ہوگا تو اس نے اس کی کوششیں صرف کردیں کہ وہ بچہ کسی طرح پیدا ہی نہ ہونے پائے اور پیدا ہو تو زندہ نہ رہنے پائے اسی طرح متواتر احادیث کی بنا پر عباسی سلطنت کے فرمانروا کو یہ معلوم ہوچکا تھا کہ حسن عسکریؑ کے یہاں اس مولود کی پیدائش ہوگی جس کے ذریعہ باطل حکومتیں تباہ ہوجائیں گے تو اس کی طرف سے انتہائی شدت کے ساتھ انتظامات کیے گئے کہ ایک ایسے مولود کی پیدائش کا امکان باقی نہ رہے اسی لیے امام حسن عسکریؑ کو مسلسل قید وبند میں رکھا گیا مگر قدرت الٰہی کے سامنے کوئی بڑی سے بڑی مادی طاقت بھی کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ جس طرح فرعون کی تمام کوششوں کے باوجود موسیٰؑ پیدا ہوئے اسی طرح سلطنت عباسیہ کے تمام انتظامات کے باوجود ''امام منتظرؑ'' کی ولادت ہوئی مگر یہ قدرت کی طرف کا انتظام تھا کہ آپ کی پیدائش کو صیغۂ راز میں رکھا گیا اور جسے قدرت اپنا راز بنائے اس کے افشاء پر کون قادر ہوسکتا ہے بیشک ذرا دیر کے لئے خود اس کی مصلحت اس کی متقاضی ہوئی کہ راز پر سے پردہ ہٹایا جائے جب امام حسن عسکریؑ کا جنازہ غسل وکفن کے بعد نماز جنازہ کے لئے رکھا ہوا تھا۔ شیعیان خاص کا مجمع تھا اور نماز کے لئے صفیں بندھ چکی تھیں امام حسن عسکریؑ کے بھائی جعفر نماز جنازہ پڑھانے کے لئے آگے بڑھ چکے تھے اور تکبیر کہنا ہی چاہتے تھے کہ ایک دفعہ حرم سرائے امامت سے ایک کمسن بچہ برآمد ہوا اور بڑھتا ہوا صفوں کے آگے پہونچا اور جعفر کی عباء کو ہاتھ میں لے کر کہا ''چچا پیچھے ہٹیے اپنے باپ کی نماز جنازہ پڑھانے کا حق مجھے زیادہ ہے۔'' جعفر بیساختہ پیچھے ہٹے اور صاحبزادہ نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی پھر صاحبزادہ حرم سرا میں واپس ہوگیا غیر ممکن تھا کہ یہ خبر خلیفۂ وقت کو نہ پہونچتی چنانچہ پہونچی اور اب زیادہ شدت وقوت کے ساتھ تلاش شروع ہوگئی کہ ان صاحبزادہ کو گرفتار کرکے قید کردیا جائے یا ان کی زندگی کا خاتمہ کیا جائے۔

غیبت :- حضرت امام منتظرؑ کی امامت کا زمانہ اب تک دو غیبتوں میں تقسیم رہا ہے ایک زمانۂ ''غیبت صغریٰ'' اور ایک ''غیبت کبریٰ'' اس کی بھی خبر معصومینؑ کی زبان پر پہلے ہی آچکی تھی

جیسے پیغمبرؐ خدا کا ارشاد ''اس کے لئے ایک غیبت ہوگی جس میں بہت سی جماعتیں گمراہ پھرتی رہیں گی'' اور اس کی غیبت کے زمانہ میں اس کے اعتقاد پر برقرار رہنے والے ''گوگرد سرخ'' سے زیادہ نایاب ہوں گے حضرت علی ابن ابیطالبؑ کا ارشاد ہے قائم آل محمدؐ کے لئے ایک طولانی غیبت ہوگی۔ میری آنکھوں کے سامنے پھر رہا ہے وہ منظر کہ دوستان اہلبیت اسکی غیبت کے زمانے میں سرگرداں پھر رہے ہیں جس طرح جانور چراگاہ کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں۔''

دوسری حدیث میں ''اس کا ظہور ایک ایسی غیبت اور حیرانی کے بعد ہوگا جس میں اپنے دین پر صرف با اخلاص اصحاب یقین ہی قائم رہ سکیں گے۔'' امام حسنؑ کا قول ''اللہ اس کی عمر کو اس کی غیبت کی حالت میں طولانی کرے گا'' امام حسینؑ کا ارشاد ''اس کی ایک غیبت ہوگی جس میں بہت سی جماعتیں گمراہ ہوجائیں گے۔'' امام محمد باقرؑ کا ارشاد ''اس کی غیبت انتی طولانی ہوگی کہ بہت سے گمراہ ہو جائیں گے۔'' امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ''مہدیؑ ساتویں امام کی اولاد میں سے پانچواں ہوگا اس کی ہستی تمہاری نظروں سے غائب رہے گی۔''

دوسری حدیث میں ''صاحب الامر کے لئے ایک غیبت ہونے والی ہے اس وقت ہر شخص کو لازم ہے کہ تقویٰ اختیار کرے اور اپنے دین پر مضبوطی سے قائم رہے۔''

امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں ''اس کی صورت لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہوگی مگر اس کی یاد اہل ایماں کے دلوں سے غائب نہ ہوگی۔ وہ ہمارے سلسلہ کا بارہواں ہوگا'' امام رضاؑ ''اس کی غیبت کے زمانہ میں اس کا انتظار رہے گا۔'' امام محمد تقیؑ ''مہدی وہ ہے جس کی غیبت کے زمانے میں اس کا انتظار اور ظہور کے وقت پر اس کی اطاعت لازم ہوگی۔'' امام علی نقیؑ ''صاحب الامر وہ ہوگا جس کے متعلق بہت سے لوگ کہتے ہوں گے وہ ابھی پیدا ہی نہیں ہوا'' امام حسن عسکریؑ ''میرے فرزند کی غیبت ایسی ہوگی کہ سوا ان لوگوں کے جنہیں اللہ محفوظ رکھے سب شک و شبہہ میں مبتلا ہوجائیں گے۔'' اسی کے ساتھ امام محمد باقرؑ نے یہ بھی بتادیا تھا کہ ''قائم آل محمد کے لئے دو غیبتیں ہیں ایک بہت طولانی اور ایک اس کی بہ نسبت مختصر۔'' امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ''ایک دوسری کی بہ نسبت بہت طولانی ہوگی'' ان ہی احادیث کے پہلے سے موجود ہونے کا نتیجہ تھا کہ امام حسن عسکریؑ کے بعد ان کے اصحاب اور مومنین مخلصین کسی شک و شبہہ میں مبتلا نہیں ہوئے اور انہوں نے کسی حاضر الوقت مدعی امامت کو تسلیم کرنے کے بجائے اس ''امام غائب'' کے تصور کے سامنے سر تصدیق خم کردیئے۔

غیبت صغریٰ :- پہلی غیبت کا دور ۲۶۰ھ سے ۳۲۹ھ تک انہتر سال قائم رہا۔ اس میں سفراء خاص موجود تھے یعنی ایسے حضرات جن کو مخصوص طور پر نام کی تعیین کے ساتھ امام کی جانب سے نائب بتایا گیا تھا کہ شیعوں کے مسائل امام تک پہونچائیں ان کے جوابات حاصل کریں۔ اموال زکوٰۃ وخمس کو جمع کر کے انہیں مصارف خاصہ میں صرف کریں اور جو قابل اعتماد اشخاص ہوں ان تک خود امام کی تحریرات کو بھی پہونچادیں ورنہ خود حضرت سے دریافت کر کے ان کے مسائل کا جواب دیدیں۔ یہ حضرات علم و تقویٰ اور رازداری میں اپنے زمانے کے سب سے زیادہ ممتاز اشخاص تھے اس لئے ان کو امامؑ کی جانب سے اس خدمت کا اہل سمجھا جاتا تھا یہ حسب ذیل چار بزرگوار تھے:

۱۔ ابو عمرو عثمان سعید بن عمری اسدی: یہ پہلے امام علی نقیؑ کے بھی سفیر رہے تھے۔ پھر امام حسن عسکریؑ کے زمانے میں بھی اس خدمت پر مامور رہے اور پھر حضرت ''امام منتظرؑ'' کی جانب سے بھی

سب سے پہلے اسی عہدہ پر یہی قائم ہوئے چند سال اس خدمت کو انجام دے کر بغداد میں انتقال کیا وہیں دفن ہوئے۔

۲۔ ان کے فرزند ابوجعفر محمد بن عثمان بن سعید عمری امام حسن عسکریؑ نے ان کے منصب سفارت پر برقرار ہونے کی خبر دی پھر ان کے والد نے اپنی وفات کے وقت بحکم امام ان کی نیابت کا اعلان کیا۔ جمادی الاول ۳۰۵ھ میں بغداد میں وفات پائی۔

۳۔ ابوالقاسم حسین بن روح بن ابی بحر نوبختی: علم وحکمت، کلام ونجوم میں خاص امتیاز رکھتے ہوئے مشہور خاندان نوبختی کی یادگار اور خود بڑے جلیل المرتبت پرہیزگار عالم تھے۔

ابوجعفر محمد بن عثمان نے اپنی وفات کے بعد امام کے حکم سے ان کو اپنا قائم مقام بنایا پندرہ برس عہدۂ سفارت انجام دینے کے بعد شعبان ۳۲۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

۴۔ ابوالحسن علی بن محمد سمریؒ یہ آخری نائب تھے۔ حسین بن روح کے بعد بحکم امامؑ ان کے قائم مقام ہوئے اور صرف نو برس اس فریضہ کو انجام دینے کے بعد ۱۵؍ شعبان

۳۲۹ھ میں بغداد میں انتقال کیا وقت آخر جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے بعد نائب کون ہوگا تو انہوں نے کہدیا کہ اب اللہ کی مشیت ایک دوسری صورت کا ارادہ رکھتی ہے جس کی آخری مدت اسی کو معلوم ہے۔

اب اس کے بعد کوئی نائب خاص باقی نہ رہا اسی ۳۲۹ھ کے اندوہناک سال میں کافی کے مصنف ثقۃ الاسلام محمد بن یعقوب کلینیؒ اور شیخ صدوقؒ کے والد بزرگوار علی بن بابویہ قمیؒ نے بھی انتقال فرمایا تھا اور ان حوادث کے ساتھ غیر معمولی طور پر یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ آسمان پر ستارے اس کثرت سے ٹوٹ رہے ہیں کہ ایک محشر معلوم ہوتا ہے اس لئے اس سال کا نام رکھ دیا گیا ''عام تناثر النجوم'' یعنی تاروں کے انتشار کا بدسال۔ اس کے بعد اندھیرا چھا گیا سخت اندھیرا اس لئے کہ کوئی ایسا شخص سامنے نہ رہا جو امامؑ کی خدمت میں پہونچنے کا وسیلہ ہو۔

غیبت کبریٰ:- ۳۲۹ھ کے بعد سے جو زمانہ ہے اسے غیبت کبریٰ کہتے ہیں اس لئے کہ اب کوئی خاص نائب بھی باقی نہیں رہا۔ اس دور کے لئے خود حضرت امام عصرؑ نے یہ ہدایت فرمادی تھی کہ ''اس صورت میں دیکھنا جو لوگ ہمارے احادیث پر مطلع ہوں اور ہمارے حلال وحرام یعنی مسائل سے واقف ہوں ان کی طرف رجوع کرنا۔ یہ ہماری جانب سے تمہارے اوپر حجت ہیں۔'' اس حدیث کی بنا پر علمائے شیعہ اور مجتہدین کو ''نائب امام'' کہا جاتا ہے مگر یہ نیابت باعتبار صفات عمومی حیثیت سے ہے خصوصی طور پر باعتبار نام زدگی نہیں ہے۔ یہی خاص فرق ہے ان میں اور نائبین میں جو غیبت صغریٰ کے زمانہ میں اس منصب پر فائز تھے اس زمانۂ غیبت میں بھی یقینا امام علیہ السلام ہدایت خلق اور حفاظت حق کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور ہماری کسی نہ کسی صورت سے رہنمائی فرماتے ہیں خواہ وہ ہمارے سامنے نہ ہوں اور ہمیں محسوس ومعلوم نہ ہو یہ پردہ اس وقت تک رہے گا جب تک مصلحت الٰہی متقاضی ہو اور ایک وقت ایسا جلد آئے گا (خواہ وہ جلد ہمیں کتنی ہی دور پر معلوم ہوتا ہو) کہ یہ پردہ ہٹے گا اور امام علیہ السلام ظاہر ہوں گے اور دنیا کو عدل وانصاف سے معمور فرمائیں گے اسی طرح جیسے وہ اس کے پہلے ظلم وجور سے مملو ہوچکی ہوگی۔

(اللھم عجل فرجه وسهل مخرجه)

سلطنت کا ہر طریقہ شرک کی پیداوار ہے

حکیم الامت علامۂ ہندی مولانا سید احمد نقوی مجتہد طاب ثراہ

غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ سلطنتوں، حکومتوں، ملوکیتوں کی بنیاد شرک کے ہاتھوں قائم ہوئی ہے۔ اگر یہ خدائی چیز ہوتی تو بے شک انبیاء اور مرسلین سلطنت وحکومت پر اسی طرح مرتے جیسے للاّ ہیت پر مٹے۔ تاریخ کا کوئی واقعہ اور الہامی کتابوں کا کوئی حکم پیش نہیں کیا جا سکتا جس سے ثابت ہو کہ فلاں نبی و مرسل حصول حکومت کی جدوجہد میں مارا گیا۔ یہ تو شیطانی چیز ہے جو شرک باللہ کی پیداوار ہے۔ وحدت انسانی کو مٹا کر تفوق و امتیاز حاصل کرنے کی غرض سے ملوکیت کی بنیاد پڑی ہے۔ سابق بادشاہت صرف مشرکوں میں تھی۔ مذاہب میں اس کا وجود نہ تھا۔ یہودیوں نے سموئیل نبی سے ضد کر کے ساؤل کو بادشاہ بنایا ہر چند جناب سموئیل نے سمجھایا، خدا سے ڈرایا، نقائص سلطنتی بتائے، یہودیوں نے ایک نہ مانی، مذہب میں سلطنت کی حکومت قائم ہوئی۔ (دیکھو توریت میں سموئیل کی کتاب اور قصۂ تالوت وجالوت قرآن مجید میں) ہندو مت اور بدھ مت میں بھی رام چندر جی اور شری کرشن جی اور گوتم جی کے بن باس کو دیکھو سلطنتیں کس طرح سے ٹھکرا دیں۔

سلطنت کے تین طریقے

حکومت وسلطنت کے صرف تین طریقے ہو سکتے ہیں وراثتی، جمہوری، قہر وغلبہ سے، تینوں طریقے شیطانی ہیں۔ اور وحدت انسانی مٹانے کی چالیں ہیں، روپ بدلے ہوئے ہیں۔ ہر سہ طریق میں تفوق، برتری، چھوٹے بڑے کا امتیاز ہے۔ جو فطرت الٰہیہ میں مداخلت ہے۔ نتیجۃً تینوں کا قہر وغلبہ ہے۔ کمزوروں کے لئے اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ قوی اور طاقتور کی خوشامد سے جان بچائی جائے۔ قوت داروں کی اطاعت وفرمانبرداری کریں اور بڑھی ہوئی اطاعت کو پوجا پاٹ میں منتقل کر دیں۔ اسی قہر وغلبہ کی لعنت نے انسان پرستی سکھائی اور ان کے مجسموں نے بت پرستی کی بنیاد ڈالی جس کی یاد اب تک ان اصطلاحی جملوں سے تازہ ہے: دیوی، دیوتا، ظل اللہ، اعلیٰ حضرت، خداوند نعمت وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی انسان پرستی نے کمزوروں کو مطیع بنانے میں قوانین وضوابط کی تصنیف کی۔ غلامی کے قوانین تصنیف ہونا شروع ہوئے۔ ذات، پات، چھوت، چھات، راجہ مہاراجہ، نواب، سردار، امیر، صاحب، عالم، یہ اسی شرک کی پیداوار ہے۔ سرمایہ داری، حکومت وسلطنت، سامراج، فسطائیت، نازیت، ڈکٹیٹری وغیرہ وغیرہ۔ سب ڈکیتی کی مختلف صورتیں ہیں۔ یہ ہستیاں زندگی میں اپنی پوجا کراتیں، مرنے کے بعد ان کے مقبرے، مجسمے پوجے جاتے جو ہمیشہ جنگ وجدل، مکاری، حیلہ سازی اور انسانی خون آشامی کے لئے نئے نئے بہانے تراشتے ہیں اور ان کا نام تہذیب وتمدن رکھا جاتا ہے۔

موروثی بادشاہ

یہ وراثتی سلطنت وسرمایہ داری کسی نہ کسی ڈکیت سے ملی ہوئی ہوتی ہے۔ ورنہ تاریخ سے بتاؤ فلاں بادشاہ رئیس ماں کے پیٹ سے حکومت وملوکیت ساتھ لایا۔ ان کا شجرۂ نسب خواہ مخواہ کسی ڈاکو سے ملتا ہوگا جو سب سے پہلے ملک وحکومت پر قابض ہوا ہوگا۔ معافی وغلبہ بھی کسی ڈاکو کا دیا ہوتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی شخص اپنی نیک چلنی اور

ہر دلعزیزی سے پہلے پہل حاکم بن جائے لیکن قوم کو کیا حق ہوگا کہ اس کی اولاد و اولاد الاولاد سے نسلاً بعد نسلٍ کوئی دوامی معاہدہ کرے اور اپنے آنے والی نسلوں کو ہمیشہ غلامی کے واسطے چھوڑ جائے۔ سلطنت کی ابتدائی بنیادوں میں اس کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتا کہ سب سے زائد خطرناک و خونخوار ڈاکو دوسرے قزاقوں کو ملا کر غریبوں، کمزوروں کو اپنی اطاعت کے واسطے مجبور کرے۔ اور انہیں قزاقوں کا گروہ اس کی نسل و خاندان سے معاہدوں کے ذریعے سردار بناتا رہے اور حکومت کے استحقاق کے واسطے فرضی افسانوں کی گڑھنت ہوتی رہے ورنہ صحیح و مستند کون سی تاریخی شہادت ہے کہ وراثت، اہلیت و قابلیت و استحقاق کی بنا پر قائم ہوئی۔ اگر یہ صحیح ہوگا تو گدھوں، احمقوں، خونخواروں کی حکومت وراثتی قائم کرنے میں قدرت کا مذاق ہوگا۔

اس وراثتی اصول کے خراب اثروں سے کون ذی عقل بے خبر ہے اگر اس اصول پر خدا کی مہر لگی ہوتی تو ظالموں، احمقوں کی مذمت الہامی کتابوں میں کر کے قدرت مذاق نہ کرتی اور قہر و غلبہ کی وراثتوں کو غصب و جبر کہکر ان کی کتابیں غاصبوں، جباروں پر لعنت و نفرین اور عذاب اخروی سے تخویف نہ کرتی۔ جو چیز شیطانی ہو اس کو کسی مذہب خصوصاً اسلام کے سر ٹھونسنا اور اولی الامر سے گروہ شیاطین کو مراد لے کر اطاعت کو فرض قرار دینا قرآن مجید و خدا اور سول کا مضحکہ اڑانا اور اسلام کو بدنام کرنا ہے۔ غاصبوں اور ظالموں کی ہمت افزائی ہے۔

جمہوریت

اس بارے میں ہماری کتاب ''جمہوریت و اسلام'' اور ''کمیونزم و اسلام'' بہت کافی ہے لیکن اجمالاً سنو۔ جمہوریت سرمایہ داروں کی ہے یا عوام مزدوروں کی — ہر دو طریق میں سے کسی میں بھلائی نہیں ہے۔

سرمایہ داروں کی جمہوریتیں صدیوں سے تجربہ کی جاری رہی ہیں جن کی خرابیاں پوشیدہ نہیں ہیں۔ جس لعنت سے چھٹکارے کے لئے اب دنیا بیتاب ہو رہی ہے۔ مزدوروں اور عوام کی جمہوریت کا نیا تجربہ کیا جارہا ہے، اور عالم بھر میں یہ سیلاب آیا ہوا ہے جو دنیا کو بہا لے جائے گا۔ اس کے خراب اثروں کے لئے کوئی عقلی دلیل اس وقت کارگر نہیں ہے اس لئے کہ یہ ایک جذباتی رو ہے اور سرمایہ داری کے انقلاب و انتقام کے لئے عام جذبات کو برانگیختہ کیا جاچکا ہے اور سرمایہ داری کے ہزاروں سال کا ردعمل ہے۔ لہٰذا جو شے عقل کی راہ سے دل میں سمائے وہ عقل ہی کی راہ سے دل سے نکالی جاسکتی ہے اور جو چیز جذبات کے ذریعہ دل میں سمائے وہ جذبات ہی کے ذریعہ دل سے نکل سکتی ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ بادشاہی کسی نوعیت ہو قہر و غلبہ (ڈکٹیٹری) ہو یا وراثتی یا جمہوری سب ایک ہی قسم کی لعنتیں ہیں۔ کسی خاص سلطنت کو یہ تباہ و برباد نہیں کرتیں بلکہ ساری دنیا کو برباد کرتی ہیں۔ حکومت کا جو بھی طریقہ ہو حکم خدا کے خلاف ہے اور جہاں بھی حکومت قائم ہوگی بے گناہ کمزوروں کی خونریزی ہوگی۔ ان کے لیڈر، پریسیڈنٹ ڈکٹیٹر شخصی سلطنت کے مظاہرے کریں گے، جس کے نمونے آج بھی موجود ہیں۔ مارکس و لینن کی تھیوریاں روس میں کس طرح سے ملیامیٹ ہوگئیں۔ اسٹالن نے کتنے پلٹے کھائے اور آج وہ ڈکٹیٹر کی صورت میں نمایاں ہیں، جمہوریت کا منہ چڑھایا جارہا ہے۔

ایک شکل اس جمہوریت کے پریسیڈنٹ کی یہ ہوسکتی ہے کہ اس کے سپرد دنیا کے کسی کام کی انجام دہی نہ ہو۔ ساری زندگی اس طرح سے بسر کرے کہ نہ اس کے لئے کوئی مسرت ہو نہ قوم کے واسطے

ایسا پریسیڈنٹ نہ قاضی کا کام انجام دیتا ہے نہ فوجی سپہ سالاری کی خدمات ادا کرتا ہے۔ یہ کیبنٹ کے ہاتھ کی کٹھ پتلی ہوتا ہے اس کا کام فرمانوں پر دستخط کرنے کا ہوتا ہے۔

قوم کا اپنے میں سے نمائندہ مقرر کرنا اور خوشی منانا کہ ہم بھی شریک سلطنت ہیں، قزاقوں کی غلامی ہے۔ پریسیڈنٹ جن کے ہاتھوں کا کھلونا ہوتا ہے اور پبلک بطور غلام کے ہوتی ہے۔ اور اگر عوام کی جمہوریت کی یہ شکل ہو کہ عوام آزادانہ قابلیت و اہلیت کی بنا پر جس کو چاہیں پریسیڈنٹ مقرر کریں اور عزل و نصب قوم کے ہاتھ میں رہے۔ ظاہر ہے کہ قوم کے جذبات میں ہمیشہ یکسوئی نہیں ہوتی۔ قابلیت و اہلیت کے معیاروں میں افراد کے نظریات مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ لہٰذا کوئی جمہوریت ایک شکل میں قائم نہیں رہتی طوائف الملوکی و جزر و مدر و بحرانی حالت میں ایسی سلطنتوں کی وہ حالت ہوگی کہ پارٹی بازیاں ہوں گی اور ملک میں کش مکش حیات کا دور دورہ رہے گا۔ ہر پارٹی جائز و ناجائز وسائل سے اپنا غلبہ چاہے گی۔ اور انقلابی سازشوں، قتل و غارتی کا دور دورہ رہے گا، اشتراکی جمہوریت جس کا بین ثبوت ہے۔ ادنیٰ، ادنیٰ اختلاف رائے پر کیسے کیسے مدبرین و مفکرین اشتراکیوں اور نازیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اور قوم ان بہترین علمی و صنعتی سرمایوں سے محروم کر دی گئی۔ اور کس کس بے دردی سے رائے عامہ کا گلا گھونٹا گیا اور عوام کی جمہوریت اس کا نام رکھا گیا۔

خوب سمجھ لو دنیا کی فتنہ سامانیاں، فساد و بدکاریاں، خونریزیاں اور خدائی نافرمانیاں سب اسی سلطنت پرستی، حکومت پرستی کی وجہ سے ہیں اور شرک باللہ کی پیداوار ہیں۔ اسی لئے قرآن مجید نے شرک کو ظلم عظیم قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ انسانیت پر ظلم ہے، خالق پر ظلم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی طرح کی بھی حکومت ہو امن و نظم مملکت بغیر حکومتوں کے ممکن نہیں ہے۔ یہ نظریہ حکومت پرستوں کی تصنیف ہے۔ حالانکہ تاریخیں شاہد ہیں کہ یہی سلطنتیں ہر حیثیت سے ناامنی و شدید جرائم کا سبب بنتی رہی ہیں۔ ہم نے مانا کہ انفرادی چوریوں، ڈکیتیوں قمار بازیوں، غصب حقوق کی روک تھام حکومت ہی کرتی ہے لیکن غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ حکومتی قانون کی زد میں آ کر حکومتی سرزوریوں سے چوریاں، ڈکیتیاں، لاٹریاں، عام خونریزیاں کتنی ہوتی ہیں۔ ہر ایک کی علیٰحدہ علیٰحدہ جانچ کرو تو پتہ ملے گا کہ حکومت زائد مجرم ہوتی ہے یا انفرادی جرائم زائد ہوتے ہیں۔

اس لئے الٰہی قانون میں کسی مذہب کا ہو کریت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسی لئے رسول خدا کی وفات کے بعد خلافت جو اچھا خاصہ ملوکیت کا جامہ پہن چکی تھی، امیر المومنین علیہ السلام نے بجز احتجاج کے تلوار نہ اٹھائی، ملک و حکومت کو حاصل کرنے میں کسی قسم کی جدوجہد کی اسلام میں کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔ ہاں جناب امیر کو مجبور کر کے قتل و ہلاکت کی دھمکیوں سے خلافت ملی۔ تو اب وہ قومی امانت تھی جس کا تحفظ جناب امیر پر فرض تھا۔ معاویہ و جملیوں کی کوششوں کو ناکام بنانے کے واسطے جناب امیر مجبور تھے کہ تلوار استعمال کریں اور جملیوں و صفینیوں کی جارحانہ جنگوں کا دفاع کریں۔ یہی امام حسنؑ نے بھی کیا کہ ملوکیت و حکومت کو معاویہ کے سپرد کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ اگر ملوکیت و حکومت جز و خلافت رسول ہوتی تو جناب امیر و امام حسنؑ کا فریضہ تھا کہ شعائر اسلامی و حفاظت دینی میں جس طرح سے مرمٹنا ان کا فریضہ تھا اسی طرح سے حکومت مادی کے واسطے بھی لڑتے چاہے جان چلی جاتی۔ اب یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ حضرت داؤد، حضرت سلیمان کی بادشاہتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں اور قرآنی ارشاد حضرت رسول سے کہہ دو خداوندا تو ہی مالک الملک ہے جس کو چاہتا ہے ملک

دیتا اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔ تیرے ہی ہاتھ ہر نیکی و بھلائی ہے۔ یہ کھلی ہوئی سلطنت کی تایید ہے۔ اور سلطنت وحکومت خدائی موہبت وعطیہ ہے اور خدا کی دی ہوئی عزت ہے۔

تھوڑا غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ خدا علت العلل ہونے سے کائنات میں وجود میں آنے والی تمام چیزوں کی علت سمجھا جاتا ہے۔ صحت ومرض، زلزلہ وقحط، وبا، ہر شے اس کے تابع فرمان ہے اسی طرح سے ملوکیت وعزت وفقر ودولت بھی اسی کو اس آیت میں پیش کیا گیا ہے اور خدا کو قادر ومختار بتایا ہے۔ اور جاہل مخلوق کو سمجھایا ہے کہ ملوکیت وعزت تم لاکھ جد و جہد کرو خدا نہ چاہے تو نہیں مل سکتی۔ اور خود اس آیت کا تتمہ ''بیدک الخیر'' بتاتی ہے کہ جس طرح سے ملوکیت دینا اور عزت دینا دست خدا میں ہے اور نیکی ہے اسی طرح سے حکومت وعزت دے کر چھین لینا بھی خیر و نیکی ہے مخلوق کے حق میں اور کوئی فرق دونوں میں نہیں ہے۔ جو مقتضائے مصلحت باری اور جو مفید حال انسانی ہے وہ خیر محض ہے۔ ہر کہ چند کہ انسان کوتاہ بینی اور خودغرضی سے اس کو مضر ہی سمجھتا رہے۔ لہٰذا تمام حکومتیں جو دنیاوی قوانین پر قائم ہوں شرک باللہ کی ہی پیداوار ہیں (دیکھو ہماری کتاب دین فطرت) لیکن فنسطیوں کی حکومت، آسمانی بادشاہت، مذہبی ملوکیت، جو خدائی آئین اور الٰہی قوانین کی بنیادوں پر قائم ہوں جس کے نمونے حضرت داؤد وحضرت سلیمان نے پیش فرمائے اور ملوکیت وحکومت کو خدا ہی کا سمجھا اور خود خدائی نمائندے کی طرح کام کیا درحقیقت یہ جناب داؤد و جناب سلیمان کی سلطنت وحکومت نہ تھی بلکہ خدائی تھی اور ایسی ہی سلطنت و حکومت سلالۂ رسالتی امام عصر عجل اللہ فرجہ کی ہوگی جو خدائی نمائندگی میں ہوگی **یملء اللہ الارض عدلا و قسطا کما ملئت ظلما و جورا** خدائی عدل وانصاف سے زمین اسی طرح بھر جائے گی جیسے ظلم و جور سے بھری ہوئی ہے۔ وہ تو حقیقی ملوکیت وعزت ہے جس کو خدا چاہے گا اسی کو اپنے خاص بندوں میں سے دے گا اور یہی وہ چنی ہوئی عزت وملوکیت ہے جو انبیاء ومرسلین وخاصان خدا کے علاوہ نہ کسی کو دی گئی اور نہ کبھی دی جائے گی۔

بقیہ نزول قرآن...........

داعی ہے اور اس طرح کی آیتوں سے اس کا دامن بھرا ہوا ہے۔ تاریخ اسلام اس کی تایید میں بے شمار شواہد رکھتی ہے کہ ان تبدیلیوں کے خوش آیند نتائج برآمد ہوئے، اس کے خصوصیات و امتیازات اور حرکت و اقدام، قوت اور جرأت، پیش قدمی اور اقتصادی ترقی بلکہ معاشرتی، فکری وعملی میدانوں میں ہمہ گیر ترقی تاریخ میں سب کے سامنے ہے۔

بہت سے معاملات ونکات تھے جن کے بیان کی گنجائش نہیں ہے مگر ہم نے جو مختصر باتیں پیش کی ہیں ان سے یہ واضح ہو گیا قرآن مجید کا مقصد فلسفہ پیش کرنا نہیں بلکہ اس کا نفاذ وانطباق مقصود ہے، تھیوری ہی نہیں پریکٹکل بھی ہے، نظریہ کا عمل سے ہم آہنگ ہونا۔

ہم کو یہ بات جتا دینا چاہیے کہ قرآن زندہ ہے جب تک خود زندگی باقی ہے قرآن باقی رہے گا۔ وہ زمان ومکان کا پابند نہیں ہے اس کا ایک مقصد ہے انقلاب اٹھانا، انقلاب لانا، ایک انقلابی مرکز بنانا جہاں سے وقتاً فوقتاً دائمی تبدیلیوں کا عمل جاری کیا جا سکتا ہو ——— قرآن نظریے کا انقلاب، اسلامی اسلوب پر تبدیلیاں۔

فضائل رمضان المبارک اور روزہ کی تاریخ

عمادالعلماء علامہ سید محمد رضی طاب ثراہ

یوں تو ہر ساعت، ہر دن اور ہر مہینہ اللہ ہی کا پیدا کیا ہوا ہے مگر جس مہینہ کو اس نے اس قدر فضیلت عطا فرمائی ہے کہ وہ اس کی ذات کی طرف منسوب ہو کر ''شہر اللہ'' کہا جاتا ہے وہ یہی رمضان المبارک کا مہینہ ہے اور جس کی ہر آن اور ہر لمحہ برکتوں اور رحمتوں کا ایک عظیم خزانہ اور نہ ختم ہونے والا سرچشمہ ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک مشہور خطبہ میں فرمایا تھا ''نَوْمُکُمْ فِیْہِ عِبَادَ □ وَاَنْفَاسُکُمْ فِیْہِ تَسْبِیْحٌ'' مقصود یہ تھا کہ اس مبارک مہینہ میں روزہ دار اہل ایمان کی نیند بھی عبادت میں شمار کی جاتی ہے اور ان کی سانس کے سلسلہ کو بھی تسبیح قرار دیا جاتا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پھر ان کے رکوع و سجود اور دوسری عبادتوں کا کیا مرتبہ ہوگا۔ اسی خطبہ میں حضورؐ نے فرمایا تھا:-

شَھْرٌ ھُوَ عِنْدَ اللّٰہِ اَفْضَلُ الشُّھُوْرِ وَ اَیَّامُہٗ اَفْضَلُ الْاَیَّامِ وَ لَیَالِیْہِ اَفْضَلُ اللَّیَالِیْ وَ سَاعَاتُہٗ اَفْضَلُ السَّاعَاتِ ھُوَ شَھْرٌ دُعِیْتُمْ فِیْہِ اِلیٰ ضِیَافَۃِ اللّٰہِ

یہ وہ مبارک مہینہ ہے جو اللہ کے نزدیک تمام مہینوں سے افضل ہے، اس کے تمام دن تمام دنوں سے، اس کی تمام راتیں تمام دوسری راتوں سے اور اس کی تمام ساعتیں تمام ساعتوں سے افضل و بہتر ہیں۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں تم اللہ کے مہمان ہوتے ہو۔

پھر آپ نے فرمایا کہ تم اس ماہ مبارک میں خالص اور سچی نیت اور صدق دل سے خدا کی بارگاہ میں دعا کیا کرو کہ وہ تمہیں اس میں روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور قرآن حکیم کی تلاوت کا شرف مرحمت فرمائے۔

وہ شخص بڑا بدنصیب ہے جو اس مبارک مہینہ میں خدا کی مغفرت اور بخشش سے محروم رہ جائے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا کہ تم اپنی بھوک اور پیاس سے روز قیامت کی بھوک اور پیاس کو یاد کرو۔ اپنے غریبوں اور محتاجوں کی خدمت اور مدد کرو، اپنے بزرگوں کی توقیر اور تعظیم کرو اور چھوٹوں پر رحم و کرم کرتے رہو اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحم کا برتاؤ کرو، اپنی زبانوں اور آنکھوں کو ان باتوں سے محفوظ رکھو جو ان کے لیے جائز نہیں ہیں۔ یتیموں پر رحم کرو اور ان کے ساتھ مہربانی سے پیش آؤ اور خدا کی بارگاہ میں اپنے گناہوں سے توبہ کرتے رہو۔ پھر حضورؐ نے فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی مومن کسی دوسرے روزے دار مومن کا روزہ افطار کرائے تو اسے ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے اور اس کے گناہ بھی بخش دیے جاتے ہیں اگر چہ وہ کھجور کے ایک ٹکڑے اور پانی کے ایک گھونٹ ہی سے کیوں نہ افطار کرائے۔ خطبہ کے آخر میں آنحضرتؐ نے ارشاد کیا تھا کہ یہ وہ مبارک مہینہ ہے جس میں جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور شیطانی گمراہ کن طاقتوں کو مقید کر دیا جاتا ہے۔ بظاہر حضورؐ کا مقصود یہ تھا کہ جب اہل ایمان خلوص دل اور خضوع و خضوش کے ساتھ روزے رکھیں گے اور عبادت کریں گے تو نفس میں صلاحیت خیر بڑھے گی اور بدی کا جذبہ فنا ہو جائے گا۔ اور پھر

ظاہر ہے کہ اللہ اپنے فرماں بردار بندوں سے خوش ہوگا اور انہیں بے حساب ثواب عطا فرمائے گا اور دوسری طرف شیطانی طاقتوں کے لئے ضلالت و گمراہی پھیلانے کی تمام راہیں بند ہوجائیں گی۔ مگر یہ سب کچھ اسی وقت ہوسکتا ہے جب انسان احکام خداوندی پر پورے یقین اور خلوص کے ساتھ عمل کرے اور خدا اور سولؐ کی معرفت کامل رکھتا ہو اور اسے اچھی طرح سمجھتا ہو کہ اللہ اس کے ہر عمل اور اس کی ہر نیت سے باخبر ہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ اس ماہ مبارک کی جلالت وعظمت کے پیش نظر جس طرح اس میں ہر عملِ خیر کا ثواب بے حد ہے اسی طرح اس ماہ میں برے اعمال کی سزا بھی بڑی سخت ہوگی اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس ماہ مبارک کی عظیم برکتوں سے فائدہ اٹھانے کی بھرپور سعی کرے اور اپنے نفس اور کردار کی تطہیر کے اس بہترین موقع سے محروم نہ رہ جائے۔

روزہ کی تاریخ

جہاں تک روزہ کا تعلق فاقہ یا ترک لذات سے ہے، مختلف شکلوں میں اس قسم کا روحانی فاقہ دنیا کی تقریباً ہر قوم میں موجود ملتا ہے جس کی طرف انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کی دسویں جلد میں ان لفظوں کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔

''روزہ کے اصول اور طریقے اگرچہ آب وہوا اور ماحول کے حالات اور تاثرات کے اختلاف کی وجہ سے بہت کچھ ایک دوسرے سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن مشکل ہی سے کسی ایسے مذہب کو پیش کیا جاسکتا ہے جس کے روحانی نظام اور مذہبی اصول میں روزہ کو کلی طور پر نہ مانا گیا ہو''

ہندوؤں میں جو برت رکھنے کا رواج ہے وہ بھی اسی قسم کا ایک روحانی فاقہ ہے۔ ہندو قوم کی جتنی شاخیں اور جس قدر مذاہب ہیں ان سب ہی میں برت کا طرح طرح سے رواج پایا جاتا ہے۔ یونانیوں اور پارسیوں میں بھی اس قسم کے فاقے رائج تھے۔ غرض اس طرح وہ تمام قومیں جن کا حضرت آدمؑ سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کی آسمانی شریعتوں اور کتابوں میں سے کسی سے بھی تعلق نہ تھا ان میں بھی اس مذہبی اور روحانی فاقہ کا وجود ملتا ہے اور وہ غیر مسلم لوگ بھی اس قسم کے فاقہ کی مذہبی اہمیت کو سمجھتے تھے، اسباب اس رواج کے مختلف ہوسکتے ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سمجھدار لوگوں نے اس قسم کے فاقوں اور محدود طریقہ پر ترک لذات کے فائدوں کو محسوس کیا ہو اور اس کے بعد ہی اسے رواج دیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہر دور کے انبیاءؑ نے چونکہ اللہ کے حکم سے روزہ اپنی اپنی امتوں پر لازم کردیا تھا اسے دیکھ کر غیر قوموں نے بھی پیغمبروں کے روحانی نظام کے اس جزو یعنی روزہ کو اپنے بنائے ہوئے نظام میں داخل کرلیا ہو اور اس کی شکل وصورت بدل دی ہو۔

رہا روزہ کا وہ تعلق جو انبیاءؑ اور مرسلینؑ کی شریعتوں اور ہدایات سے ہے اس کی شکل وصورت اور احکام وحدود کی تاریخ کی طرف قرآن حکیم کی یہ آیت صاف طریقہ پر اشارہ کررہی ہے ''**کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم**'' (بقرہ ۱۸۳) مسلمانو! تم پر روزہ اسی طرح واجب کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے کی امتوں پر واجب کیا گیا تھا۔

اس کا مطلب صاف ہے کہ جب اس کرۂ زمین پر نوع انسان کے لئے اللہ نے شرعی نظام نافذ کیا اور نبوتوں کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام کو بھیج کر شروع کیا گیا اسی وقت سے روزہ کا حکم بھی دیا گیا ہے اور ہر نبی کے دور میں اس کا وجود تھا۔ اسی بناء پر موجودہ مسخ شدہ توراۃ وانجیل میں بھی جا بجا روزہ کا ذکر پایا جاتا ہے۔ تورات میں ہے کہ

بقیہ صفحہ ۴۱ پر

وارث زمین کی آمد

صفوۃ العلماء آقائے شریعت مولانا سید کلب عابد طاب ثراہ

آج ہر طرف فسق و فجور کا بازار گرم ہے، دین سے لوگ روگرداں ہیں، لا مذہبیت چھا گئی ہے، اور روحانیت دم توڑتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ اندازہ تو یہی ہوتا ہے کہ آئندہ حالات بد سے بدتر ہوجائیں گے اور رہے سہے مذہبی اثرات بھی ختم ہو جائیں گے اور دماغوں پر مکمل مادیت کا غلبہ ہوجائے گا۔ آخر میں انسانیت کی کشتی اپنے ہاتھوں غرق ہوجائے گی اور آدمیت اپنے ہاتھوں لگائی آگ میں خود جل کر بھسم ہو جائے گی۔ لیکن ان تمام قیاس آرائیوں اور پیش بینیوں کے برخلاف نہ صرف اسلام بلکہ تمام ادیان عالم اس پر متفق ہیں کہ زمین کے آخری دور میں برائیاں نہیں اچھائیاں، بدیاں نہیں نیکیوں کا غلبہ ہوگا۔ اگرچہ آج انسان اپنے مادی پہلو کی وجہ سے ترقی کی راہ پر گامزن ہے لیکن اس کا روحانی جذبہ بھی بیدار ہوگا اور روحانیت اپنے معراج کمال پر پہنچے گی پوری دنیا پر عدل و انصاف کا پرچم لہرائے گا اور ظلم و جور مٹ کر رہے گا۔ یہ سب خود بخود ایک مصلح عالم کے دم قدم سے ہوگا۔ اسی بابرکت ذات کے انتظار میں تمام روحانی دنیا گھڑیاں گن رہی ہے۔

رسولؐ اسلام کی متواتر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ اس مصلح اعظم کا نام وہی ہوگا جو رسول کا اسم گرامی تھا اور کنیت بھی وہی ہوگی جو رسالتمآبؐ کی تھی۔ اس کا لقب مہدی ہے اور نسل جناب فاطمہ زہراؑ سے ہوگا۔ اس طرح کی روایات کا تواتر کسی معنوی شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ کسی منصف کے لیے انکار کی گنجائش نہیں۔ بہت سی قرآنی آیات سے بھی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسے دور کا آنا لازم ہے جب پوری دنیا پر اسلام کا غلبہ ہو۔ امن و انصاف، دین و دیانت کا بول بالا ہو اور تمام روئے زمین پر توحید کا پرچم لہرائے۔ آیات کو چھوڑ کر صرف ایک آیت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس میں قرآن مجید نے اسی پیشین گوئی کے ذریعہ موجود ہونے کا ذکر فرمایا۔ سورۂ انبیاء آیت نمبر ۱۰۵ میں ارشاد ہوتا ہے:

ولقد کتبنافی الزبور من بعدالذکر ان الارض
یرثھاعبادی الصالحین

ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھ دیا ہے کہ زمین کی وراثت میرے صالح بندوں کو حاصل ہوگی۔ اتفاق سے تحریف شدہ عہد عتیق کے حصۂ مزامیر میں یہ پیشین گوئی موجود رہ گئی ہے۔ میرے سامنے عہد عتیق کا فارسی نسخہ ہے اس کی نمبر ۳۷ کی مزمور میں یہ عبارت ہے:

زیرا کہ بازو شریراں شکستہ خواہد شد، اما صالحاں را خداوند تائیدی کند۔ خداوند روزہا کاملاں را می داند و میراث ایشاں خواہد بود تا ابد الآباد۔ در زمال بلا خجل نخواہند شد و در ایام قحط سیر خواہند بود، زیرا شریراں ہلاک می شود۔

کیونکہ شریروں کے بازو ٹوٹ جائیں گے لیکن نیکوکار لوگوں کی اللہ تائید کرے گا۔ خدا مردان کامل (کامل الایمان) کے زمانہ سے واقف ہے۔ یہ دوران کی میراث کا دور ہوگا ہمیشہ کے لیے مصیبتوں

میں یہ مردان کامل شرمندہ نہ ہوں گے۔ قحط کے زمانہ میں یہ سیرو سیراب رہیں گے۔ کیونکہ شریر لوگ ہلاک ہوجائیں گے۔

زبور کے اس مزمور میں کئی وعدے ہیں۔ تمام شریر لوگوں کی ہلاکت کی خبر دی گئی ہے، صالحین کے اللہ کی مدد سے تمام زمین کے وارث ہونے کا اعلان ہے۔ یہ وراثت ایسی ہوگی کہ پھر بدسرشتوں کو غلبہ حاصل نہ ہوسکے گا۔ مکمل غلبہ سے قبل حق و باطل کے ٹکراؤ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کا بھی وعدہ ہے کہ اس دور میں کبھی مومنین کو شکست کی خجالت برداشت نہیں کرنا ہوگی، بلائیں اور قحط صرف بدسرشت لوگوں کے حصہ میں ہوں گے، اہل ایمان کا دباؤ اور آسمانی مصیبتیں مل کر شریر افراد کا خاتمہ کردیں گی۔

قرآن مجید کے حوالے کے مطابق جب اس مزمور کا مطالعہ کیا جائے تو وہ پوری کی پوری تصویر جو امام زمانہؑ کے سلسلہ میں روایات پیش کرتی ہیں پیش نظر ہوجاتی ہے۔

خدا وہ دن جلد لائے جب شر و فساد، کفر والحاد شریروں اور ملحدوں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے دفن ہوجائے اور وارث ارض اور مصلح اعظم ظہور فرمائے جس کے تمام اہل دیانت منتظر ہیں۔

لیکن مومنین کو یہ غلبہ یونہی نہیں حق و باطل کے آخری ٹکراؤ کے بعد حاصل ہوگا جس میں شیطنت بھی اپنا پورا زور لگائے گی۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ وہ اہل ایمان جو برابر دعا کرتے رہتے ہیں **اللھم عجل فرجه و سهل مخرجه** اپنے کو ذہنی و عملی طور پر آمادہ رکھیں اپنے اخلاق و کردار کو ایسا بنالیں کہ امامؑ کے ساتھیوں میں ہوسکیں۔ ان کا شمار مفسدین و فاسقین میں نہیں صالحین و مومنین میں ہو۔

اللھم اجعلنا من اعوانه و انصاره

بقیہ ہمارا پیام..................

لگا رہے ہیں۔ تاکہ یہی مشترک عنصر ان کے درمیان نمایاں رہے اور اسی بنیاد پر وہ اپنے وجود کو باقی رکھ سکیں۔ سوچیے، یہ کون لوگ ہیں؟

یہ یہودی ہی تو ہیں جو اپنے تجربہ کی روشنی میں آگے بڑھ رہے ہیں اور اس پر سختی سے قائم ہیں۔

مذہب کی بنیاد پر ایک مملکت وجود میں لانے کا تجربہ یہودیوں نے مسلمانوں کی سماعت و بصارت کے سامنے کیا اور ان ہی کے علاقوں کو غصب کیا۔ اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں نے ان کی مدد کی۔

اس تجربہ نے مسلمانوں کو اس فیصلہ کن بات کے روبرو کھڑا کردیا ہے کہ وہ صحیح معنوں میں مسلمانوں جیسی زندگی گزاریں، سچے مسلمانوں جیسی روش اپنائیں۔

اب اگر ان لوگوں نے اپنے وجود کو اسلام میں مرتکز نہ کیا اپنے مسائل کا حل اسلام کے دامن میں تلاش نہ کیا اپنی زندگی کے معمولات، باہمی تعلقات اور غیر مسلموں کے ساتھ روابط میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کو نہ اپنایا تو—— تو ہر لالچی کے لئے لقمۂ تر؛ اور —— ہر استعمار پسند ظالم کے لیے آسانی سے حاصل ہونے والا شکار بن جائیں گے۔ اور اگر مادی اسباب و وسائل کی فراوانی کی بنا پر مذکورہ بالا دشمنوں سے بچ گئے تو وہ گوناگوں آفتیں اور بلائیں جنھوں نے آج کے غیر مسلم معاشروں کو پریشان کر رکھا ہے، وہ مسلمانوں کے وجود کو بھی کچل دیں گی اور ان کی زندگی میں زہر گھول دیں گی —— لہٰذا مسلمان ہوشیار ہوجائیں، اور یہ سمجھ لیں کہ —— ان کی بقا و نجات صرف اسلام ہی کے ذریعہ ممکن ہے!!!

جہالت، بیماری اور تنگدستی

سرکار رئیس العلماء مولانا سید کاظم نقوی صاحب مدظلہ

انسان کا فریضہ ہے کہ زمین پر رہ کر کام کرے، کوشش کرے، محنت ومشقت کرے، اس کو آباد کرے، خدائی اسرار ورموز کے چہرے سے نقاب ہٹائے، اس کی ہمہ گیر اصلاح کرنے کے سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرے۔

لیکن یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ اس اہم فریضہ کو پورا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ اس میں کوئی شک وشبہہ نہیں ہے کہ علم کے بغیر انسان یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اچھا کیا ہے اور برا کیا ہے؟ مفید کیا ہے اور نقصان رساں کیا ہے؟ یوں ہی تندرستی کے بغیر اس کا دماغ صحیح کام نہیں کرسکتا، وہ مسائل کو ٹھیک طرح نہیں سلجھا سکتا، اسی طرح جب تک ہاتھ میں پیسہ نہ ہو اس کی زندگی کے بسر ہونے کی کوئی سبیل نہیں نکل سکتی، ترقی اور اصلاح کا کوئی منصوبہ عملی جامہ نہیں پہن سکتا، حقیقت یہ ہے کہ علم، دولت اور تندرستی تین ایسے اہم عناصر ہیں جن پر انسان کی زندگی کا دارومدار ہے۔ ان کے بغیر انسانی زندگی کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی۔ بظاہر جہالت، بیماری اور تنگدستی سے زیادہ خطرناک انسانیت کا کوئی دوسرا دشمن نہیں ہے۔ یہ چیزیں انسان کے سکون کو اس سے چھین لیتی ہیں۔ اسے چاہیے کہ اپنی تمام طاقتوں کو سمیٹ کر نہایت سچائی، باہمی خلوص، مضبوط ارادے، مکمل احتیاط، آپس کے تعاون اور مشورے کے ساتھ ان تینوں دشمنوں کا مقابلہ کرے۔

اسلام نے ان کی مکمل بیخ کنی کے لئے انتہائی موثر اور طاقتور ذرائع اختیار کرنے کی پوری کوشش کی۔ اگر انسان اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا تو بہت جلد معمولی سی کوشش کر کے، چھوٹا سا راستہ طے کر کے منزل مقصود تک پہنچ جاتا، وہ نہ جاہل رہتا نہ بیماری اس کے پاس پھٹکتی اور نہ غریبی وتنگ دستی۔ دنیا کی حکومتوں کے بڑے بڑے سربراہ اپنی دھواں دھار تقریروں میں جہالت، بیماری اور تنگدستی کی باتیں تو برابر کرتے ہیں، لیکن کسی طرح انسانیت کو ان تینوں سے چھٹکارا نہیں ملتا ہے۔

جہالت اور نادانی

اسلام جہالت اور نادانی کا جانی دشمن ہے۔ وہ جہاں بھی ہو، جس شکل وصورت میں بھی ہو، اسلام نے اس کے نیست ونابود کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ شرک کی جہالت کا مقابلہ توحید کے ذریعہ، اندھی تقلید کا مقابلہ دلیل و برھان کے ذریعہ، بیہودہ عادتوں اور موہومہ خرافات کا مقابلہ صحیح اور عاقلانہ آداب ورواسم کو ان کا قائم مقام بنا کر کرتا ہے۔ یقینا اسلام نے سب سے پہلے جہالت سے زبردست جنگ شروع کی، اس نے لکھنے پڑھنے کی تعلیم کو اہم قرار دیا قلم کے مرتبہ کو بلند کیا۔ سب سے پہلی آسمانی آواز جو وحی اول کی صورت میں پیغمبر اسلامؐ کے گوش زد ہوئی، وہ یہ ہے:

اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔

ترجمہ: پڑھو اپنے پروردگار کے نام کے سہارے جس

نے پیدا کیا، اس نے انسان کو پیدا کیا جمے ہوئے خون سے، پڑھو اور تمہارا پالنے والا بہت بزرگ ہے، جس نے قلم کے ذریعہ (لکھنا) سکھایا اور انسان کو وہ سب بتایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

خداوند عالم نے اپنے پیغمبر کو پڑھنے کا حکم دیا ہے پڑھنا علم کی سیڑھی ہے۔ اس کے بعد ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ خدا کے نام کا سہارا لیں۔ اس طرح قرآن مجید نے پڑھنے کی قدر و منزلت کو نمایاں کیا ہے پھر اس نے پہلے عمومی خلقت اور اس کے بعد انسان کے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی کے پیچھے پیچھے قلم کے ذریعہ لکھنا سکھانے کا تذکرہ کیا گیا ہے، یعنی درحقیقت انسان کا وجود اور علم و قلم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اس میں شاید اس بات کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ اسلام اور خدا کی نظر میں جاہل شخص کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

اسلام جس طرح بغیر کسی قید کے پڑھنے کا حکم دیتا ہے اسی طرح بغیر کسی قید کے وہ علم کا بھی طالب ہے۔ وہ اس سلسلہ میں کسی محدودیت کا قائل نہیں ہے۔ ارشاد قرآنی ہے:

قل هل يستوی الذين يعلمون و الذين لا يعلمون۔

آیا جاننے والے اور نہ جاننے والے ایک دوسرے کے برابر ہو سکتے ہیں۔ **يرفع اللّٰہ الذين أمنوا امنكم و الذين اوتو العلم درجات۔** خدا تم لوگوں میں سے ان لوگوں کے مرتبے کو بلند کرتا ہے جو ایمان لائے ہیں اور جنہیں علم دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کے نقطۂ نظر سے اس آیۂ مبارکہ کے معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے علم سے مراد ہر ایسی چیز کا جاننا ہے جو ان فرائض کے انجام دینے میں انسان کی مدد کرے جو اس کے ذمہ عائد کئے گئے ہیں۔ یہ فرائض دنیا سے بھی متعلق ہو سکتے ہیں اور آخرت سے بھی۔ اس اعتبار سے اسلام ہر اس علم کا طالب ہے جو انسان کو فائدہ پہنچائے، انسانیت کے آگے بڑھانے کا موجب ہو اور اس کو خوش حال بنائے، اس کی حقیقی مصلحتوں کے مطابق ہو جن کا تعین اسی ذات کی طرف سے ہو سکتا ہے جو انسانیت کے تقاضوں سے مکمل طور پر واقف ہو۔

اسلام میں اولاد کے جو حقوق ان کے باپ کے ذمہ قرار دیئے گئے ہیں، ان میں سے ایک واجب الادا حق یہ بھی ہے کہ ان کی تعلیم کا انتظام کرے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ باپ پر اس کی اولاد کے تین حق ہیں: پہلا حق یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی اچھا سا نام انتخاب کرے، دوسرا حق یہ ہے کہ اس کو لکھنا پڑھنا سکھائے، تیسرا حق یہ ہے کہ جب لڑکا یا لڑکی ازدواج کے قابل ہو جائے تو اس کی شادی کرے۔ (مکارم الاخلاق ص ۱۱۶)

تحصیل علم کے سلسلہ میں اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

طلب العلم فريضة علی كل مسلم و مسلمه (معالم الدین)

صدر اسلام کے مسلمانوں نے سمجھ لیا تھا کہ اسلام کے نزدیک علم کی کیا قدر و منزلت ہے، وہ اس راز کو جان گئے تھے کہ کوئی قوم علم کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی، اس لئے انہوں نے جہالت کے دور کرنے کی ہر طرح کوشش کی۔ انہوں نے جنگی قیدیوں کو اس شرط سے آزاد کیا کہ وہ کچھ مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھائیں۔ انہوں نے عورتوں کا مہر قرآن مجید کی تعلیم کو قرار دیا۔ جس راستے پر صدر اسلام کے مسلمان چلے تھے اگر اسی راستے پر اس دور کے مسلمان بھی چلیں تو ہر طرح کی ترقیاں ان کے قدم چومیں گی۔

صحت وتندرستی

انسان کا سب سے بڑا سرمایہ صحت اور

تندرستی ہے۔ اسلام ہر طرح کی بیماری سے جنگ کرتا ہے اسی لئے اس نے پیش بندی اور احتیاط کرنے کی ہدایت دی اس کے باوجود اگر کوئی شخص بیمار ہو جائے تو اس نے حکم دیا کہ وہ اپنا علاج کرے۔ اس نے انسان کو ہرگز یہ اجازت نہیں دی ہے کہ وہ ازغیب شفا پانے کا انتظا کرتا رہے۔ اسلام نے مریض کی صحت و سلامتی کو مقدم کرتے ہوئے اجازت دیدی ہے کہ وہ اگر ضروری ہو تو ہر طرح کے شرعی واجبات کو ترک کرسکتا ہے۔ اس کی طرف سے بیماری، سفر اور بڑھاپے کے زمانے میں انسان کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ روزہ نہ رکھے، بلکہ اگر نقصان کرنے کا ڈر ہو تو بھی روزہ یہی نہیں کہ واجب نہیں بلکہ شرعی طور پر حرام ہو جاتا ہے۔

یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ صحت اور تندرستی انسان کا بہت قیمتی سرمایہ ہے، وہ شخص بڑا خوش قسمت ہے جس کے پاس تندرستی کی نعمت ہے، بغیر اس کے آدمی کچھ نہیں کرسکتا، تحصیل علم تندرستی چاہتی ہے، محنت و مزدوری صحت چاہتی ہے، راہ حق میں جہاد تندرستی کا طالب ہے۔ اسلام اس سلسلے میں اتنا آگے بڑھا کہ اس نے انسان کی جسمانی صحت کو دین کی صحت و سلامتی کا پیش خیمہ قرار دیدیا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان جس ذریعہ سے بھی بیماری کو دور کرسکتا ہو اسے بہر حال دور کرے۔

پریشان حالی اور تنگدستی

اسلام ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ اس کے ماننے والے تنگدست اور پریشان حال ہوں۔ اسلام نے سب سے پہلے لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ کام کریں، بیکار نہ رہیں۔ اپنے قوت بازو سے روزی حاصل کریں۔ اس نے اعلان کیا کہ **الکاسب حبیب اللّٰہ** اپنی روزی کمانے والا خدا کا محبوب ہے۔ اس نے انہیں شوق دلایا کہ وہ کھیتی باڑی اور تجارت کریں۔ قرآن مجید کا ارشاد ہے: **هو الذی جعل لکم الارض ذلولا فامشوا فی مناکبها و کلوا من رزقه۔** خدا وہ ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے رام کر دیا، تم اس کے کاندھوں پر سوار ہو کر راستہ پر چلو اور اس کی روزی سے اپنا پیٹ بھرو۔ ''**فاذا قضیت الصلوٰة فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللّٰہ**'' پس جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں ادھر ادھر پھیل جاؤ اور خدا کی عنایت سے اپنی روزی تلاش کرو۔

اسلام نے دولتمندوں کا فریضہ قرار دیا ہے کہ وہ غریبوں کی مدد کریں، شاید ہی قرآن میں کوئی ایسا ورق آپ کو دستیاب ہو جس میں فقراء کے ساتھ ہمدردی کے سلسلے میں دولتمندوں کے جذبات کو ابھارا نہ گیا ہو۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اسلام نے طرح طرح کے ذرائع سے فائدہ اٹھایا ہے، لوگوں کو غریبوں کی امداد کا شوق بھی دلایا ہے، کبھی انہیں دھمکیاں بھی دی ہیں، دنیا اور آخرت کے عذابوں سے ڈرایا بھی ہے۔

اسلام نے دولتمند اشخاص کے اموال میں ضرورتمندوں کے حقوق قرار دئے ہیں، جن میں حالات، مقامات اور زمانے کے لحاظ سے فرق ہوسکتا ہے۔ اس طرح کے حقوق خمس و زکوٰة کے علاوہ بھی ہوسکتے ہیں۔ اس طرح اسلام نے انسانیت کے ان تینوں دشمنوں کا مقابلہ کیا ہے۔ اگر لوگ اس کے ہدایت کے مطابق عمل کریں تو اسلامی معاشرے میں جہالت، بیماری اور تنگدستی کا کوئی نام و نشان نہیں نظر آئے گا ''یہ میرا راستہ ہے جو بالکل سیدھا ہے، اسکی پیروی کرو، دوسرے راستوں پر نہ چلو جو تمہیں خدا کے مخصوص راستے سے بھٹکا دیں، یہ وہ چیزیں ہیں جس کی اللہ نے تمہیں وصیت کی ہے تاکہ تم فرض شناسی سے کام لو۔'' (قرآن مجید)

انسان کامل

عمادالعلماء علامہ ڈاکٹر سید علی محمد نقوی مدظلہ

انبیائے کرام بے نقص نمونے :- دین اسلام ایک ایسی عمارت ہے جس کی بنیاد توحید پر ہے اور رسالت اس عمارت کا داخلی دروازہ ہے جس سے گذرے بغیر اس عمارت میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ اگرچہ خدا اور اسکی وحدانیت پر اعتقاد ہمارے دینی نظام کا محور ہے تاہم اس اعتقاد کا حصول صدق کلام اور حضرت محمد صلعم کی تعلیمات کے اعتقاد کے بغیر ناممکن ہے۔ دوسرے خود ساختہ مذاہب میں دین کے لانے یا بنانے والے خود ہی مرکز پرستش ہوتے ہیں لیکن اسی کے مقابل اسلام میں مرکز پرستش صرف ذات باری تعالیٰ ہے اور اس لحاظ سے اہل مغرب کا یہ خیال غلط ثابت ہوتا ہے کہ اسلام محمد ازم یعنی محمدیت ہے۔ درحقیقت یہ اللہ ازم یعنی خدائیت ہے مگر حضرت محمد صلعم کی نبوت و رسالت پر ایمان و اعتقاد رکھنے کے بعد ہی ایک مسلمان کی رسائی ذات باری تک ہوتی ہے۔

اسلامی نظریہ کے مطابق انسان افضل المخلوقات اور بانی فطرت کا شاہکار ہے مگر پیغمبر اس شاہکار کا ایک مکمل ترین نمونہ ہے۔ انسان کی تخلیق میں تمام ممکنات و موجودات شامل ہیں۔ جس طرح ایک شاہکار کسی فنکار کے فن کا بہترین نمونہ ہوتا ہے اسی طرح پیغمبر انسانوں کے درمیان قدرت کے فن تخلیق کا افضل ترین نمونہ ہے۔ یہ وہ ہستی ہے جس کی خاطر تمام عالم کا وجود ہے اور غالباً حدیث قدسی کا ایک مقصد یہ بھی ہے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے ”**لولاک لما خلقت الافلاک**“ یعنی اے محمد (صلعم) اگر آپ نہ ہوتے تو یہ زمین و آسمان بھی نہ خلق کئے جاتے۔ لہٰذا ظاہر ہوتا ہے کہ کل مخلوق کے وجود کا سبب ذات محمدی ہے۔ بقول اقبالؔ ؎

خامہ او نقش صد امروز بست
تا بیارد صبح فردائے بدست
شعلہ ہائے او صد ابراہیم سوخت
تا چراغ یک محمدؐ برفروخت

حضرت محمدؐ بن عبداللہ کی شخصیت محض ایک تاریخی شخصیت نہیں ہے بلکہ ایک پائندہ حقیقت بھی ہے جس کا دنیائے تخلیق میں وجود ہے جو زمان و مکان میں تجلی ریز ہونے کے ساتھ ہی عرفان و بلندی کا حامل بھی ہے۔

حضرت محمد صلعم سے محبت اور نبوت پر یقین، یہ دو ایسے قوین ترین اسباب ہیں جو تمام عالم کے مسلمانوں کو متفق اور متحد کرتے ہیں۔ یہ اسباب ساری دنیا کے مسلمانوں کو سمیٹ کر ایک وحدت میں سمو دیتے ہیں۔ حضرت محمد صلعم سے وابستگی اور محبت کی وجہ سے ایشیا سے درون افریقہ تک کے مسلمان آپس میں حیرتناک اتحاد اور مماثلت رکھتے ہیں۔ اقبالؔ کے اشعار ہیں ؎

از نبوت در جہاں تکوین ما
از نبوت دین ما آئین ما
از نبوت صد ہزار ما یک است
جزو ما ہم یک جزو لا ینفک است

آں کہ شان اوست یھدی من یرید
از رسالت حلقہ گرد ما کشید
ما زحکم نسبت او ملت ایم
اہل عالم را پیام رحمتیم
از رسالت ہمنوا گشتیم ما
ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما

یہاں تک کہ غیر بھی اس حقیقت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہیں۔ ایک مغربی مصنف لکھتا ہے ''مسلمانوں کو حضرت محمد صلعم سے جو وابستگی ہے ہم ساکنان مغرب اس سے ناواقف ہیں اور تمام عالم اسلام کو ان کی ذات سے جو اعتقادی لگاؤ ہے ہم اس کا اندازہ کرنے سے قاصر ہیں۔ ہم لوگ پیغمبر اسلامؐ کو ایک تاریخی شخصیت سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے جبکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے نزدیک ان کی حیثیت اس سے ماورا کچھ اور بھی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ دانستہ یا نادانستہ ہم مسلمانوں کی دل شکنی کے اسباب فراہم کرتے رہے ہیں۔ میں یورپ سے انڈونیشیا تک ہر جگہ گیا ہوں لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ میں نے ہر جگہ امت اسلامیہ کی رگوں میں عشق محمدی کو یکساں روانی کے ساتھ جاری وساری دیکھا ہے۔ اور تمام عالم کے مسلمانوں کے درمیان جو اخوت و اتحاد ہے ان کے اسباب میں ایک بہترین سبب سب کے دلوں میں عشق محمدی کی یکسانیت ہے جو طرح طرح سے ظاہر ہوتی ہے۔ شمالی افریقہ میں پیغمبر اسلامؐ کی شان میں عارفانہ اور عاشقانہ شعر گوئی ہوتی ہے جس سے ان کی رفعت وواقعیت کا اظہار ہوتا ہے اور برصغیر ہند میں پیغمبرؐ کے یوم ولادت کو بڑے تزک و احتشام سے مناتے ہیں، قوالیاں ہوتی ہیں، اس رسم کو وہ میلاد کہتے ہیں۔ اسلام کی شان امتیاز میں ایک یہ بھی ہے کہ مسلمان اپنے پیغمبر سے والہانہ عشق اور عقیدت رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود اس والہیت میں بھی دوسرے ادیان و مذاہب کی طرح انسان اور خدا کے مابین امتیازی سرحدیں کم نہیں ہوتیں۔''

خود پیغمبر اسلامؐ باوجود ان تمام خصوصیات کے جن کے وہ حامل تھے مثلاً گناہ و اشتباہ سے محفوظ ہونا، بے نظیر رہنمائی، لاجواب قوت تشکیل و تعمیر، شرک و اوہام اور جور و استبداد سے بے مثال نبرد آزمائی وغیرہ مسلمانوں کے نزدیک ایک ایسے انسان تھے جو تمام انسانوں سے بلند درجۂ رسالت پر فائز تھے۔ مسلمان ہر روز متعدد بار اس یقین کی تکرار کرتے ہیں اور کہتے ہیں **اشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ** (میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلعم) صرف خدا کے بندے اور پیامبر ہیں۔ اور بس) اور یہ نکتہ تاریخ ادیان میں بے نظیر اور بے مثال حیثیت کا حامل ہے۔

اسلام نے اس بات پر زور دیا ہے کہ حضرت محمد صلعم کی شخصیت خدا کی منتخب کردہ شخصیت ہے اور ان کی اہمیت یہ ہے کہ محض ان کی خاطر خدا نے زمان و مکان کو خلق فرمایا، لیکن اس کے باوجود بھی وہ 'انسان' تھے انسانوں کی طرح ضرورتیں انہیں بھی تھیں ان کے ذریعہ جن باتوں کا مکلف انسانوں کو بنایا گیا تھا انہیں باتوں کے مکلف خود وہ بھی تھے بلکہ ان کے فرائض دوسروں سے زیادہ تھے۔

رسولؐ خدا پر تہجد و نافلۂ شب واجب تھیں

دیگر مذاہب میں رہبروں نے جس محنت اور ریاضت کو عام لوگوں کے لئے تجویز کیا ہے خود کو اس سے مستثنیٰ اور بالاتر رکھا ہے، اس کے برعکس پیغمبر اسلامؐ نے خود کو کسی محنت و ریاضت سے کبھی مستثنیٰ قرار نہیں دیا بلکہ دوسروں سے زیادہ خوف خدا ان کے دل میں تھا۔ وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ عبادت کرتے تھے، زیادہ نمازیں

پڑھتے تھے، زیادہ روزے رکھتے تھے، جہاد کرتے تھے، خلق خدا پر احسان کرتے تھے اور اپنی اور دوسروں کی زندگی کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ زندگی گذارنے کے لئے کسی کا بوجھ نہیں بنے یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس کی اہمیت وعظمت دوسرے ادیان جیسے بدھ مت اور مسیحیت کا اسلام سے تقابلی مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوسکتی ہے۔

اپنے پیغمبرؐ سے والہانہ محبت کے باوجود مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ (حضرت محمد صلعم) خاتم المرسلین، افضل الانبیاء تھے، محبوب ربانی تھے، مصلحت تخلیق زمان ومکان تھے ساتھ ہی ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ مسئلہ وحی اور لوازم وحی (جیسے عصمت ومعجزہ وغیرہ) کی وجہ سے تمام انسانوں پر فوقیت رکھتے تھے۔ وحی انہیں بشریت سے خارج نہیں کرتی بلکہ انسانیت کا ایک اعلیٰ وارفع نمونہ بنا کر پیش کرتی ہے اور انہی وجوہ ودلائل کی بنا پر وہ دوسروں کے رہبر ورہنما ہیں۔

دوسرا عظیم فرق پیغمبر اسلامؐ اور دوسرے تمام پیشوایان دین میں نبرد آزمائی، جہاد اور تعمیر وتشکیل ہے۔ اکثر ادیان ومذاہب میں پیامبر یا پیشوایان دین کے متعلق صرف معنوی اور روحانی تصور تھا۔ ان ادیان ومذاہب میں عبادت وریاضت کا صحیح طریقہ رہبانیت تھا، گوشہ نشینی کو خدا تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ سمجھا جاتا تھا، دین کا دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا۔ تمام پیشوایان دین کے طرز عمل کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ اجتماع اور سیاست کو ان سے کوئی ربط نہ تھا۔ لیکن اسلام میں نبوت کا مقصد خدا کی معرفت اور اس کا تقرب اور اسی کے ذریعہ ظلم و جہالت وغیرہ کے خلاف نبرد آزمائی ہے۔

ان ہی تمام وجوہ کی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیغمبر اسلامؐ دیگر مذاہب کے لانے اور بنانے والوں کے برعکس محض ایک پیغام پہنچا دینے والے نہ تھے بلکہ پیام الٰہی کے نفاذ کے لئے اور شرک واوہام اور ظلم وجہالت کی بیخ کنی کے لئے نبرد آزما بھی تھے اور مجاہدین کی رہبری بھی فرماتے تھے چنانچہ انہوں نے ظلم وستم، جہالت واوہام اور کفر وشرک سے لوگوں کو نجات دلائی، فرسودہ معاشرے کی اصلاح کی، ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی اور ایک ایسی امت بنائی جس نے قیصر وکسریٰ کے محلات کو لرزہ براندام اور بڑے بڑے فرمانرواؤں کے تخت وتاج کو سرنگوں کردیا۔

پیغمبر کے متعلق یہ تصور جو اسلام نے پیش کیا ہے اور جس کا اظہار حضرت محمد (صلعم) کی عملی زندگی سے ہوتا ہے۔ دیگر تمام ادیان میں پیشوایان دین کے عملی مظاہرے سے بالاتر ہے۔

دیگر مذاہب میں عبادت وریاضت کے لئے معاشرے اور دنیا سے جنگلوں اور پہاڑوں کا رخ کیا جاتا تھا یا پھر عبادت گاہوں میں ہی جملہ نشینی اختیار کی جاتی تھی اس کے برخلاف اسلام میں جیسا کہ علامہ اقبال بھی کہتے ہیں: ”پیامبر روحانی گہرائیوں سے عرفان لے کر واپس لوٹتا ہے اور نظام جہاں میں داخل ہوتا ہے تاکہ حالات کے بے ضابطہ بہاؤ کو ایک ضابطے کے تحت لاکر مطلوبہ اصلاح مکمل کے ذریعہ ایک جہان نو تخلیق کرے۔“

اس طرح بقول استاد شہید مطہری ”اسلام میں پیغمبر روحانی راستوں سے خلق کی طرف سے خالق کی طرف رجعت کرتا ہے یعنی **سیر من الخلق الیٰ الخالق** لیکن اس کا صریحی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب وہ انہی راستوں سے خلق کی طرف واپس آتا ہے تو اپنے ساتھ ایک ارادہ لے کر لوٹتا ہے، حیات انسانی کی اصلاح کا ارادہ اور اسے ایک مجموعۂ کارمنداں بخشنے کا ارادہ اور اس طرح **سیر علی الخلق فی الخلق** پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔“

اسلام کی یہی دو باتیں یعنی پیغمبر کا انسان ہونا اور اجتماعی و

بقیہ صفحہ ۴۸ پر

گذشتہ سے پیوستہ

آغاز کار

خطیب پاکستان مولانا حسن ظفر نقوی اجتہادی صاحب

گذشتہ مضمون میں ان چار عفریتوں کا مختصر تعارف کرایا گیا جو تاریخی طور پر تو قدیم ہیں مگر سامراج نے انہیں جدید خطوط پر منظم کر کے ہمارے معاشرے پر اس طرح مسلط کر دیا ہے جیسے آکٹوپس (ہشت پا) سمندر کی کمزور مخلوق کو جکڑ کر بے بس کر دیتا ہے۔

انسانیت کے یہ دشمن اس سے کہیں زیادہ خطرناک، زہریلے، خوں آشام اور مضبوط ہیں جتنا گذشتہ سطور میں بیان کیا گیا ہے پس ان سے مقابلہ کے لئے بھی ایک طویل اور منظم جد و جہد کی ضرورت ہے۔

اس موقع پر یہ یاددہانی ضروری ہے کہ ظلم کی جڑیں کاٹنے کے لئے کبھی بھی ظلم کا ہتھیار استعمال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا نتیجہ ایک ظلم کے بعد دوسرے ظلم کے دور کا آغاز ہوگا بلکہ ظلم کو مٹانے کے لیے مظلومیت ہی کے ہتھیار کو استعمال کرنا پڑے گا اور یہ بات طے ہے کہ ظالم کے ہاتھوں ظلم کی چکی میں پسنے والے افراد کی تعداد کہیں زیادہ بلکہ بہت زیادہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ظالم بنیادی طور پر بزدل واقع ہوتا ہے۔

ہمارا پہلا کام یہ ہونا چاہیئے کہ سادہ اور جہالت کے شکار لوگوں میں علم و آگہی پیدا کریں یعنی پہلا مرحلہ جہاد باللسان اور جہاد بالقلم ہے۔ یقیناً ہمارے معاشرے میں ایسا باضمیر دانشور طبقہ وجود رکھتا ہے جس کے دل میں مذہب و ملت کی تڑپ موجود ہے اور جو مذہب و ملت کی زبوں حالی پر رنجیدہ بھی ہے اور کوئی حل بھی چاہتا ہے۔

ہمیں ایسے ہی باضمیر علماء، خطباء، ادباء، شعراء اور دیگر نمائندہ طبقات پر مشتمل ایک تربیت یافتہ گروہ تیار کرنا پڑے گا جو اچھی طرح اس بات کو سمجھ لے کہ ''زندگی ایک عقیدہ اور اس کی خاطر جہاد کا نام ہے'' ابتدا میں یہ کام مشکل نظر آتا ہے لیکن جب ہم اپنے آگے صفر لگا ہی چکے ہیں تو پھر کوئی پرواہ نہیں۔ ہر قدم آگے ہی شمار ہوگا چاہے کتنی ہی سست رفتاری سے کیوں نہ بڑھ رہا ہو۔

یہ گروہ اپنی تحریروں، اپنے اشعار، اپنے زور بیان اور علمی صلاحیتوں کو صرف اور صرف مظلوم انسانوں کو ظالم دشمن کی شناخت کرانے اور انہیں یکجا کرنے پر صرف کر دے۔ مظلوم لوگوں کا متحد ہونا خود ایک انقلاب کی علامت ہے، قوموں کے اجتماعی فیصلے ہمیشہ درست ہوتے ہیں۔ ایسے مرحلوں میں طبیعت تشدد کی طرف مائل ہوتی ہے لیکن ہمیں اپنے جوانوں کو تشدد دست روکنا ہے۔ یہ جوان نسل اس لئے نہیں ہے کہ اسے تشدد اور قتل و غارت گری کے راستے پر ڈال کر انسانیت کو مزید تباہی سے ہمکنار کرنے میں ہاتھ بٹایا جائے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بوقت ضرورت دفاع کا حق دنیا کا ہر مذہب اور قانون ہمیں دیتا ہے۔

ہر وقت دھیان رہے کہ ہم نے حالات کو بہتر کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے نہ کہ خراب تر کرنے کا، ہمیں عوام کی قطعی اکثریت کو انقلاب کے راستے پر ڈالنا ہے۔ جب عوامی سیلاب امڈ پڑے گا تو وہ ایک فطری مبارزے کی طرف بڑھے گا اور وہ عوامی ریلا اصل دشمنوں کو غرق کر دے گا۔ ہمارا راستہ انبیاء کا راستہ ہونا چاہیئے، ہماری تحریک پوری طرح رسول اکرمؐ کی تحریک میں ڈوبی ہوئی ہونی چاہیئے جہاں

دفاعی حکمت عملی بھی اس طرح اختیار کی جاتی ہے جس میں ظلم وتعدی کا ذرا بھی امکان نہ رہ جائے، اس کے لئے بڑے ہی حوصلے، شجاعت اور صبر کی ضرورت ہے۔ ائمہ طاہرینؑ کی زندگی اور سیرت سے مکمل آگہی ہی ہمیں یہ بصیرت عطا کرسکتی ہے۔

ایسے افراد کا راسخ العقیدہ ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ مچھلی کی حیات کے لیے پانی، خدا پر ایمان اس کی وحدانیت اور کبریائی پر یقین کامل، اس کے نظام عدل پر اطمینان و اعتبار، پیغمبر ختمی مرتبتؐ اور انبیاء ماسلف کی تصدیق اور دل میں ان کی محبت، ائمہ طاہرین کا عشق اور انہیں کے راستے پر گامزن رہنے کا عزم نیز روز جزا پر ایسا یقین گویا جنت اور جہنم کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کررہے ہوں۔

یہ سب زبانی کلامی جمع خرچ نہ ہو بلکہ ان کا ایک ایک عمل ان کے عقیدے کی پختگی کی گواہی دے۔ ایسے افراد سے پروردگار کا وعدہ ہے کہ: ''ان تنصرو االلّٰہ ینصر کم ویثبت اقدامکم''

(سورۂ محمد آیت ۷)

تم خدا کے دین کی نصرت کرو خدا تمہاری مدد کرے گا تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

جب ہم انبیاء اور ائمہ طاہرین کے راستے پر گامزن ہونے کی بات کررہے ہیں تو پھر ہمیں اپنی فکر کا دائرہ بھی بڑھانا ہوگا، آفاقی فکر پیدا کرنی ہوگی، ہمیں فرقہ اور مکتب سے بالاتر ہوکر اسلام محمدی کی تصویر اجاگر کرنا ہوگی۔

نجات اور رہائی کسی ایک گروہ کی نہیں بلکہ بلکتی اور سسکتی انسانیت کے ہر گروہ اور ہر مکتب کی، کیونکہ ہر مسلک میں ظلم کے مارے اور مصیبت زدہ انسان موجود ہیں۔ مسلک انبیاء اور ائمہ یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کی بات کرو، تمام انسانوں کی بات کرو یہی اسلام ہے، یہی دین ہے، یہی وہ راستہ ہے جو دشوار گذار اور پر خطر ہے، لیکن ہمیں اس پر قدم رکھنا ہوگا۔

خوف اور دہشت کے ماحول میں زندگی بسر کرنے والے یہ انسان کسی نجات دہندہ کا راستہ دیکھ رہے ہیں۔ سیاسی اور مذہبی لبادے میں چھپے ہوئے بچھوؤں کے ڈنک خوردہ یہ لوگ اپنے زخموں کے مرہم کی تلاش میں ہیں۔ یہ کمزور اور ضعیف انسان سوائے انتظار کے اور کیا کرسکتے ہیں ان میں تو اتنی قوت اور سکت بھی نہیں کہ یہ بھیڑیوں کے اس جنگل سے کہیں اور ہجرت کرجائیں۔

ہم بھی انتظار کررہے ہیں اس کا جس کا خدا نے وعدہ کیا ہے، جس کی بشارت رسولؐ اکرم نے دی ہے۔ مگر کیا صرف ہاتھ پہ ہاتھ دھرے انتظار کرتے رہیں یا اس آنے والے کے لیے زمین ہموار کریں۔ اندھیری رات میں ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتے رہیں یا دیئے پر دیئے پر جلاتے رہیں۔ یقینا ان لوگوں پر دیئے جلانا واجب ہے جو فلسفۂ انتظار سے آشنا ہیں اور خدا نے انہیں سوچنے سمجھنے کی صلاحیتوں سے مالا مال کیا ہے۔

عام حالات میں بلند و بانگ دعوے سبھی کرتے ہیں لیکن دعووں کی حقیقت اس وقت عیاں ہوتی ہے جب مشکل حالات درپیش ہوتے ہیں۔ بقول شہید مصطفی چمران کے ''جب نقارۂ جنگ پر چوٹ پڑتی ہے تو بہادر و بزدل میں تمیز و تشخیص ہوجاتی ہے'' میدان امتحان میں معلوم ہوتا ہے کہ کون اپنے قول میں سچا ہے اور کون صرف شیخیاں بگھارنے والا۔ انسان کی صلاحیتوں کا امتحان بحرانی حالات میں ہوتا ہے جو بحران کے دوران اپنے اعصاب پر قابو رکھے، حواس کو اپنے کنٹرول میں رکھے اور مردانہ وار میدان عمل میں اتر آئے انہی لوگوں کے لئے کلام الٰہی میں ارشاد ہورہا ہے کہ:

”من المومنین رجال صدقوا ماعاھدو اللہ علیہ فمنھم من
قضیٰ نحبہ و منھم من ینتظر و ما بدّلوا تبدیلا“

(سورہ احزاب آیت ۲۳)

ترجمہ: مومنین میں کچھ مرد ایسے ہیں جو خدا سے کئے ہوئے اپنے عہد کو پورا کر کے دکھاتے ہیں ان میں سے کچھ (یہ عہد پورا کر کے) جا چکے ہیں اور کچھ اپنی باری کا انتظار کر رہے ہیں اور اس (طریقے) میں کوئی تبدیلی آنے والی نہیں ہے۔

آج ایسے ہی حالات کا سامنا ہے کہ مردان خدا کو اپنا عہد پورا کرنا ہے، تاریخ رقم کرنا ہے، وقت کے دھارے کو موڑنا ہے اور بکھری ہوئی قوت کو یکجا کرنا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ افراد کی قلت ہے بلکہ ایک ایسے مرکز کی ضرورت ہے جہاں اس منتشر قوت کو جمع کیا جا سکے۔

زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جہاں باایمان اور اہل فکر و نظر افراد موجود نہ ہوں۔ یہ سب اپنی اپنی جگہ پریشان ہیں کہ کیا کیا جائے اور کیسے کیا جائے اور پھر ان کی نظریں علماء کی طرف اٹھتی ہیں کیونکہ یہی وہ صنف ہے جو قوم کو منجدھار سے نکال سکتی ہے۔ لیکن کم از کم موجودہ صورتحال یہ ہے کہ دوسروں سے بہتر ہونے کے باوجود ان میں بھی ایسے افراد کی کمی ہے جو عصری تقاضوں اور جدید مسائل سے فکری طور پر مکمل ہم آہنگی رکھتے ہوں۔ بہت ہی معذرت کے ساتھ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض جگہوں پر تو بعض افراد دین کی بنیادی ضرورتوں سے بھی ناآشنا ہیں۔ ان کے پاس ملت کو دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے بلکہ یہ تو ملت کے پاس جو کچھ ہے اسے بھی سمیٹنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔

یقینا چند مخلص اور درددل رکھنے والے علماء ضرور ہیں جو اپنے تئیں زخموں پر مرہم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں ان میں قلیل تعداد ایسے علماء کی بھی ہے جن کی مسائل پر پوری طرح نظر ہے وہ سازشوں کو بھی دیکھ رہے ہیں اور سمجھ بھی رہے ہیں مگر ان کی آواز میں اتنی قوت نہیں ہے کہ ملت ان کے پیچھے چلے۔ دراصل تقدس کے لبادے میں علماء کے مقام کو کچھ دنیادار ملاؤں نے اس طرح تباہ کیا ہے اور علماء کے اعتبار کو اس بری طرح ٹھیس پہنچائی ہے کہ اب لوگوں کی نظر میں ہر عالم مشکوک ہو گیا ہے اور وہ اس میں حق بجانب بھی ہیں کیونکہ ان کے پاس حقیقی اور گندم نما جو فروش علمائے سو کو پرکھنے کی میزان نہیں ہے۔

جب قیادت اور رہبری بازاری پن پر اتر آئے اور اپنی حرکات سے ملت کا اعتماد کھو بیٹھے تو پھر فطری ردعمل یہ ہوتا ہے کہ گلی گلی قیادتیں بننے لگتی ہیں اور وہ منصب جو قوم کے عزت و وقار کی علامت ہوتا ہے شرمندگی کا باعث بن جاتا ہے۔ یہ افسوس ناک صورت حال صرف ہمارے ہاں ہی نہیں بلکہ ہم سے زیادہ دوسرے مکاتب فکر میں موجود ہے۔ لیکن یہ بات ہمارے اطمینان کے لئے کافی نہیں بلکہ ہمیں تو پہلے مرحلے میں خود اپنے حالات کی بہتری کی طرف قدم بڑھانا ہے۔

ایسے حالات میں ضروری نہیں اور نہ ہی واجب ہے کہ اسی لباس کو قیادت کے لئے تلاش کیا جائے بلکہ راہ حل یوں بھی ڈھونڈھی جا سکتی ہے کہ ملت و مذہب کے مخلص اور اہل نظر افراد چاہے وہ زندگی کے کسی بھی شعبے سے ہوں مگر اہلیت رکھتے ہوں ان پر مشتمل ایک گروہ آگے بڑھے ان میں ایک شعبہ علماء کا بھی ہو، یہ بہت ضروری ہے کیونکہ جب ہم دیکھ رہے ہیں کہ ایک کثیر تعداد لوگوں کی اپنے آپ کو بالکل علیحدہ کئے ہوئے ہے اور جب ملت کے مسائل سے علیحدگی اختیار کرنے والوں کی اکثریت دانشوروں کی ہے تو ہمیں بھی ان کا اعتماد بحال کرنا ہوگا اور ساری قوم کو قومی دھارے میں شامل کرنا ہوگا۔

ویسے بھی قیادت بنائی نہیں جاتی بلکہ یہ خود ابھر کر سامنے آتی ہے جب ہم سب مل کر آگے بڑھیں گے تو خدا ہماری مدد کرے گا ہماری قوم ابھی بانجھ نہیں ہوئی ہے بلکہ ہمیں حالات کو سازگار کرنے کی ضرورت ہے۔ جونہی ہم ایک صحیح ڈگر پر چل پڑیں گے قدرتی طور پر قیادت ابھرے گی ہمیں کیا معلوم کہ ہمارے گلی کوچوں میں اور ماؤں کی گودیوں میں کیسے کیسے لعل و گہر پل رہے ہیں۔ کچھ وقت بڑی ہمت اور صبر کے ساتھ ایک کٹھن اور مشکل سفر طے کرنا پڑے گا بالآخر ہم اپنے گوہر مقصود کو پالیں گے۔

پہلے طالوت کا لشکر ترتیب دینے کی ضرورت ہے پھر اس لشکر میں کوئی نہ کوئی داؤد نکل ہی آئے گا جو جالوت کو سرنگوں کر دے گا۔

بقیہ فضائل رمضان المبارک اور.........................

حضرت موسیٰ نے کوہ طور پر چالیس دن بھوک اور پیاس کے ساتھ گزارے اسی بناء پر یہودیوں میں چالیس دن روزہ رکھنے کا رواہ ہے۔

انجیل متی میں حضرت عیسیٰؑ کے روزوں کا ذکر پایا جاتا ہے کہ انہوں نے جنگل میں چالیس دن تک روزہ رکھا آپ اپنی قوم کو روزہ رکھنے کی ہدایت فرماتے تھے اور ان سے کہا کرتے تھے کہ'' جب تم روزہ رکھو تو دکھاوا کرنے والوں کی طرح اپنا چہرہ اداس نہ بنایا کرو کیونکہ وہ اپنا منہ اس لئے بگاڑتے ہیں کہ لوگ انہیں روزہ دار سمجھنے لگیں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ وہ لوگ اپنا بدلا پا چکے لیکن جب تم روزہ رکھو تو اپنے سر میں تیل لگاؤ اور منہ دھو تا کہ دوسرے لوگوں کے سامنے نہیں بلکہ اپنے باپ کے سامنے جو نگاہوں سے پوشیدہ ہے، روزہ دار ظاہر ہو اور تمہارا باپ جو پوشیدگی میں دیکھتا ہے تم کو ظاہر میں اس کا بدلہ عطا کرے۔''

انجیل متی میں ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بن مریمؑ سے ان کے شاگردوں نے دریافت کیا کہ ہم خراب اور پلید روحوں کو اپنے نفس سے کس طرح نکال سکتے ہیں تو آپ نے جواب میں فرمایا ''خراب روحیں سوائے دعا اور روزہ کے کسی دوسری چیز سے نہیں نکل سکتیں۔''

خود عرب کے لوگ بھی جاہلیت کے زمانہ میں عاشورا کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ اس طرح جب سے انسان زمین میں آباد ہوا روزہ کی ابتدا بھی اس کے ساتھ ہی ساتھ ہوئی۔ اور ہر قوم اور ہر مذہب میں اس کا رواج رہا اور اس کو نفس کی صفائی اور تطہیر کے لئے ایک مؤثر ذریعہ سمجھا جاتا رہا مگر حقیقت یہی ہے کہ اس کی ابتدائی تعلیم پیغمبروں کو وحی الٰہی سے دی گئی جس کا سلسلہ نوع انسان کے باپ حضرت آدمؑ سے شروع ہوا اور پھر اب شریعت مصطفوی میں شامل ہو کر یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا۔ اسلام میں روزہ کی بہت سی قسمیں ہیں کچھ فرض ہیں، کچھ نفل ہیں۔ ماہ رمضان المبارک کے روزے ہر بالغ و عاقل مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہیں جن کے تفصیلی احکام دینی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں لیکن بہر حال اسلام میں روزہ کا مطلب صرف فاقہ نہیں اور صرف کھانے اور پینے کو ترک کر دینا نہیں ہے بلکہ اس کی شرطیں اور احکام مقرر ہیں جن کو پورا کیے بغیر روزہ صحیح نہیں ہوتا۔

حدیث قدسی

حرام خوری کے ساتھ عمل خیر کرنے والا چھلنی میں پانی لے جانے والے کے مانند ہے۔ (عدۃ الداعی)

ماہ صبر وشجاعت

حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا سید حسن عباس فطرت صاحب

آیت شریفہ **یاایھا الذین أمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ** کی تفسیر میں بتایا گیا ہے کہ یہاں صبر سے مراد روزہ ہے اور صلوٰۃ کا مطلب نماز۔ صائم ومریض اور امام عادل کی دعا مقبول ہوتی ہے۔ جناب زکریا علیٰ نبینا وعلیہ السلام نے یکم محرم الحرام کو روزہ رکھ کر اولاد کی دعا مانگی تھی جو قبول ہوئی اور جناب یحیٰ کے تولد کی بشارت فی الفور مل گئی۔ تو صائم کی دعا ہے مقبول اور اگر روزہ رکھ کر نماز پڑھ کے دعا مانگی جائے اور باجماعت تو پھر فتح ونصرت الٰہی کی گھٹا کو جھوم کر برسنا ہی پڑتا ہے جیسا کہ غزوۂ بدر میں گذرا اور پھر فتح مکہ کو بھی دنیا نے دیکھا ایسی حالت میں خاموشی زبان بن جائے، خواب وخور عبادت، سانس ذکر، چپ میں تسبیح کا ثواب ہو تو جائے تعجب نہیں بلکہ وہ احسن وانسب ہے۔ حدیث شریف میں کئی جگہ **تخلّقوا باخلاق اللّٰہ** (یعنی اے ابن آدم اپنے خالق کے اخلاق کا جامہ پہن لے) تو وہ خصائل ہیں کیا؟ وہی جن کا اجمالی ذکر ہو چکا اور جو سب کو معلوم ہے یعنی صدق وصفا، رحم ومروت، سخاوت وشجاعت، علم وآگہی، وسیع القلبی، فراخ دلی، چشم پوشی دستگیری، دردمندی وغیر ذلک۔ اب اس میں الوہی رنگ وآداب و اوضاع کا اضافہ ہو جائے تو پھر سونے پر سہاگہ ہی ہوگا۔ مثلاً وہ خود نہیں کھاتا مگر دوسروں کو کھلاتا ہے خود پیتا نہیں مگر مخلوق کو شیر وشہد سے سیر کرتا رہتا ہے تو اگر اس کا بندہ روزہ رکھکر معذورین ومساکین وبے چارگان کے پیٹ بھرنے کی فکر کرے، افطار میں قسم قسم کی غذاؤں سے دوسرے روزہ داروں کی تواضع کرے تو پھر خدائے کریم کیونکر نہ پکار اٹھے کہ **الصوم لی وانا اجزی بہ** (یہ روزہ والی عبادت بس میرے لئے خاص الخاص ہے اور میں ہی اس کی جزا بھی دوں گا) پیغمبر عظیم الشان نے اس کے دوسرے رخ کو بھی ابھارا ہے یہ کہہ کر کہ روزہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ غرباء ومساکین کی بھوک وپیاس اپنے تمام بندوں کو یاد دلاتا ہے اسی لئے اسے ہمدردی ومساوات کا مہینہ بھی کہا گیا ہے۔ رمضان کا مہینہ جیسے ہی آتا ہے تو مسلمانوں میں نئی روح دوڑ جاتی ہے اور وہ مساوات کا عملی نمونہ بن جاتے ہیں۔ سب کے سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے اور کیا کہنا رنگ بھی اللہ کا رنگ **صبغۃ اللّٰہ احسن صبغۃ** بہترین رنگ تو مالک ہی کا ہے دوسرے کا کہاں! وہی الٰہی رنگ ہے جو سجدوں کو منور اور چہروں کو روشن کر دیتا ہے۔

ماہ مبارک رمضان میں صلۂ رحم، خیرات واحسان مکارم اخلاق ذکر وقرأت، عبادت ودعا کا ثواب عام دنوں کے مقابلے میں اتنا ہی زیادہ ہے جتنا مسجد الحرام میں نماز ادا کرنے کا اجر عام مساجد میں عبادت سے سینکڑوں، ہزاروں گنا بیشتر ہے۔ جس طرح ہفتہ میں ایک دن جمعہ کا ہے جس کا پل پل برکات وحسنات سے بھرپور ہے اور اس دن تمام اعمال کا اجر دوگنا کر دیا جاتا ہے اور اسی لئے اسے سید الایام کہتے ہیں۔ بعینہ اسی طرح سال میں ایک مہینہ خدائے رحمٰن و رحیم نے رمضان کے نام کا رکھ دیا ہے اور اسے سید الشہور بنا دیا ہے۔ اہل اللہ اسے شہر اللہ کہتے اور اس کے انتظار میں تڑپتے رہتے ہیں، مرنا

نہیں چاہتے، جینا چاہتے ہیں تاکہ فمن شهد منكم الشهر فليصمه کے ہالۂ نورانی میں آسکیں کہ ان دنوں جنت کے دروازے پاٹوں پاٹ کھلے رہتے ہیں، جہنم کے ابواب بند کر دیئے جاتے ہیں یعنی داخلہ بند البتہ ہر روز بے شمار قیدیوں کو جہنم سے آزاد کیا جاتا ہے۔ ہاں شیطان بھی مقید کر دیا جاتا ہے مگر ان ہی کے لئے جو رحمٰن و شیاطین میں امتیاز کے قائل ہوں نہ کہ خود اپنے افعال و کردار سے شیطان کو مات دے رہے ہیں۔ یہ ایک نہایت باریک استعارہ ہے اور مقصود یہ ہے کہ روزہ دار اپنے نفس پر ایسا قابو حاصل کر لیتا ہے کہ شیاطین جن و انس کا کوئی جادو اس پر چل نہیں پاتا۔

قران السعدین

اسلام میں صفائی وصحت کو اولیت دی گئی۔ اول اول اللہ نے پانی کو خلق کیا كان عرشه على الماء (اس کا تخت پانی پر تھا) یعنی طاہر و مطہر کو دنیا میں پہلے بھیجا پھر نجاستیں ہویدا ہوئیں۔ فقہ کی ہر چھوٹی بڑی کتابوں میں پہلا باب طہارت کا ہوتا ہے پھر صلوٰۃ کا نمبر آتا ہے۔ النظافة من الایمان جیسے بہت سے اقوال پیغمبر اس کی اہمیت کو بتاتے ہیں مگر خیال رہے کہ یہاں ہم اسلام و ایمان کی بات کر رہے ہیں نہ کہ ان مسلمانوں اور مومنین کی جو بغیر ''حاجت'' کے غسل کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے چنانچہ یہاں بھی ارشاد ہے صوموا تصحوا (روزہ رکھو اور صحت بناؤ) لیکن اسلام میں صفائی وصحت کا تعلق صرف ظواہر تک محدود نہیں بلکہ ترجیح دی گئی ہے معنوی طہارت کو سفید براق لباس اگر نجس ہے تو اسے پہن کے کہیں بھی جاؤ گھومو پھرو مگر بارگاہ مقدس الٰہی میں حاضری کے لئے اسے تبدیل کرنا ہوگا۔ میلا ہی پہن لو مگر نجس والا نہیں اس طرح صحت وصفائی کا مطلب و مقصود ہر جگہ صرف جسمانی و طبعی نہیں بلکہ روحانی، اخلاقی، ذہنی، قلبی صفائی وصحت بھی ہے ان دونوں کا قران السعدین ہی بندہ کو جنت الفردوس کا وارث بناتا ہے اور روزہ میں اگر یہ عنصر مفقود ہو گیا تو خدا ہی خیر کرے پھر ہم روزہ داروں کی صف سے نکال کر باہر کر دیئے جائیں گے۔ بھوک و پیاس کی زحمت کا کوئی حاصل نہ ہوگا خدا نہ کرے ایسا ہو اور جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اس کا مصداق ہم ہوں۔ یاد رہے کہ اگر ہم اپنی اخلاقی خرابیوں کی گرد کو اس ماہ میں نہ جھٹک سکے، غیبت و بدگوئی، عیب جوئی، بغض و کینہ و حسد کی آگ میں جلتے رہے۔ دشنام طرازی و بہتان تراشی و اتہام یا لہو و لعب میں دن کاٹ لیا اور خوش ہو گئے کہ چلو ایک روزہ تو پورا ہوا تو شام ہونے سے پہلے ہی شارع علیہ السلام کی کرخت آواز کانوں سے ٹکرائے گی ''اس سے کہو کھائے پیئے فضول زحمت نہ جھیلے اسے روزہ کا کوئی اجر ملنے والا نہیں!!'' حدیث میں ہے حسن اخلاق والا انسان قائم اللیل و صائم النہار جیسا ہے۔

مختصراً ہم خاتمۂ کلام یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ ماہ رمضان در اصل اسلامی معاشرہ و تہذیب میں ایک کم مدتی تربیتی کورس کا خدائی نام ہے۔ لغت میں رمضان کے ایک معنی دوڑ کا میدان بھی ہے، دوڑنے سے گرمی آتی ہے، مسامات کھل جاتے ہیں، حشو و زائد خاکستر و نابود ہو جاتے ہیں، بدن میں اچھی خاصی ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے اور اصلیت نکھر کے آجاتی ہے۔ جیسے کٹھالی میں رکھا ہوا سونا وزن میں کم مگر قیمت میں بالاتر ہو جاتا ہے اور کندن کہلانے لگتا ہے۔ اسے اسلامی معاشرہ کہیئے یا قرآنی سماج، اس بستی کا ہر باشندہ دکھائی تو عام لوگوں جیسا ہی دیتا ہے مگر اس کی قدر و قیمت کہیں سے کہیں پہونچ جاتی ہے، وہ کتنا بلند ہو جاتا ہے اسے بلند کرنے والا ہی جانتا ہے جس نے اپنے حبیب کو تحفہ کے طور پر تین گرانقدر اشیاء بخشیں مگر یہ اس کا خاص فضل و کرم ہے کہ اپنے حبیب کے صدقے میں تینوں کو اس کی امت

کے حوالے کر دیا ''کتاب مکنون'' کو بیان للناس، بیت الحرام کو قیام للناس اور شہر اللہ (رمضان) کو امت احمدی کا مہینہ بنا دیا۔ یہ مہینہ خدا اور بندوں کا اسی طرح ہے جیسے کعبہ مقدس اللہ وعوام دونوں کے لئے حرم ہے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا کہ لوگو ماہ رجب اللہ کا، شعبان میرا اور ماہ رمضان میری امت کا مہینہ ہے۔ امت احمد وملت عیسیٰ میں یہی ماہ مبارک فاصلہ عظیم وزمین آسمان کا فرق بتاتا ہے اور وہ یوں کہ خدا پرست وشکم پرست کا کوئی تقابل ہی نہیں ایک امت اللہ کے غفران کی طلبگار رہوتی ہے تو دوسری دسترخوان (مائدہ) کی، امت عیسیٰ نے نزول مائدہ کو عید قرار دیا مگر امت احمد کے لئے رمضان کا پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت، تیسرا جہنم سے آزادی کا عشرہ قرار دیا گیا ہے اور نئے مہینہ کی صبح کو عذاب الٰہی سے نجات والطاف خداوندی کے شکرانے کا جشن بنام عید الفطر منایا جانے لگا۔ ماہ رمضان کی آمد پر تکبیر وصلوٰۃ و چراغاں ہوا اور اس کے صعود پر رنج وافسوس کیا گیا۔ دنیا وداع ماہ رمضان کی دعا پڑھے، صحیفۂ کاملہ امام سجاد کا مطالعہ کرے تو حقیقت کا عرفان ہو ورنہ صرف فارسی کا یہ شعر ہر امت محمد کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کر دے گا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

عید رمضان آمد و ماہ رمضان رفت
صد شکر کہ ایں آمد وصد حیف کہ آں رفت

مولائے کائنات امام المتقین حضرت علی ابن ابی طالبؑ نے اسی بات کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ جس دن انسان عصیان الٰہی سے دور رہا وہ دن عید کا ہے اور ہر وہ روز جس دن اسے رحمٰن ورحیم خدا سے مغفرت وبخشش کا یقین ہو وہ مثل یوم رمضان ہے اور بدبخت ترین انسان وہ ہے جو ماہ رمضان کو پائے اس کے بعد بھی اپنی مغفرت و بخشش کا توشہ جمع نہ کر سکے۔ ماہ رمضان کو سید الشہور اس لئے بھی کہا گیا ہے کہ ذی الحجہ کے محرم وعظیم مہینہ میں بندہ کو اللہ کی مہمانی کا شرف اگر حاصل بھی ہوا تو پانچ دن سے تیرہ دن تک اور ماہ رمضان میں اس کا پورا مہینہ بلا منت وزحمت مہمانی میں بسر ہوتا ہے۔ نہ استطاعت کی شرط نہ فاصلۂ دور دراز کا مسئلہ بلکہ **فمن شهد منكم الشهر فليصمه** تو کیوں نہ کہوں کہ ماہ حج میں بھی ایام معلومات ہیں لیکن ماہ رمضان کے ایام معدودات اس سے تین گنا زیادہ ہیں۔

مہمانی معبود

ماہ رمضان ماہ مہمانئ خدا ہے۔ حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ ہمیشہ ہی اسے اس لقب سے یاد کرتے اور وعظ و پند فرماتے۔ مجھے اس تعلق سے یہاں دو حکایتیں درج کرنا ہے تاکہ عبرت ونصیحت بھی ہو اور آخر کلام میں کچھ چاشنی بھی آ جائے۔ ایک تو بنی امیہ کے مشہور ظالم سردار حجاج ثقفی سے متعلق ہے اور دوسری گیارہویں صدی ہجری کے مشہور ومنفرد عالم وصوفی کی ہے۔

نقل ہے کہ ایک بار حجاج اپنے لاؤلشکر کے ساتھ باہر نکلا راستہ میں جنگل پڑا وہاں اس نے پڑاؤ ڈال دیا دھوپ سخت تھی، دوپہر کا وقت، خیمے لگائے گئے پھر دسترخوان بچھایا گیا اتفاقاً حجاج کی نظر صحرا میں بھیڑ بکریوں کے ریوڑ پر پڑی۔ تو کیا دیکھا کہ اس کا چرواہا ایک گوسفند کے پیٹ میں منہ چھپائے سو رہا ہے۔ ظالم کو نہ جانے کیسے اس پر رحم آ گیا، اسے اپنے پاس بلوا کر کہا آؤ یہاں چھاؤں میں بیٹھو کھانا کھاؤ، آرام کرو پھر واپس چلے جانا۔ چرواہے نے کہا مگر تم سے پہلے ایک جگہ مجھے دعوت دی جا چکی ہے اس کا کیا ہوگا؟ حجاج نے پوچھا کہاں؟ اس نے کہا ایسی جگہ جو تمہاری میزبانی سے عظیم تر ہے۔ حجاج نے تعجب سے کہا کہ صاف صاف بتاؤ کہاں دعوت ہے اور کون ہے دعوت دینے والا۔ گڈریہ نے مسکرا کر کہا میں روزے سے ہوں اور

روزہ دار خدا کا مہمان ہوتا ہے۔ حجاج نے حیرت میں ڈوب کر کہا کہ ایسی گرمی میں روزہ رکھنا مناسب نہیں۔ چرواہا بولا **قل نار جهنم اشد حرا** (جہنم کی آگ بہت زیادہ گرم ہے) اس نے جواب دیا کہ اچھا تم آج کھانا کھالو روزہ کل رکھ لینا۔ اس نے جواب دیا کہ کیا تم ضامن ہوتے ہو کہ میں کل تک زندہ رہوں گا، ہوسکتا ہے آج ہی میری زندگی کا آخری دن ہو۔ یہ ہے اصل شجاعت جو روزہ کی دین ہے۔

مجلسی اول نے شرح من لایحضرہ الفقیہ میں روایت **اقیلو فان اللہ عز و جل یطعم الصائم فی منامه** (روزہ دار کو اس کے حال پر چھوڑ دو کہ اسے اللہ تعالیٰ نیند میں کھلاتا پلاتا ہے) کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ بات متہجد حضرات اور نماز شب پڑھنے والوں کے تجربہ میں بار بار آئی ہے اور علامہ نوری دارالسلام نے بعض علماء راسخین کی حکایت بھی نقل کی ہے شبہائے ماہ رجب میں روزہ کا عزم کیا، رات کا کھانا اس لئے نہیں کھایا کہ سحر میں کھالیں گے اور پھر سحر سے قبل ایسی نیند آئی کہ فجر کا وقت آ گیا۔ دوپہر کو قیلولے کے لئے لیٹے تو کیا دیکھا کہ یہاں سے وہاں تک انواع و اقسام کے ماکولات و مشروبات سجے ہوئے ہیں۔

دوسرا واقعہ شیخ بہاء الدین عاملی (متوفی ۱۰۳۴ھ) سے منسوب اور روح وریحان نامی کشکول میں درج ہے۔ تبریز کے ایک امام جماعت سے نقل ہے کہ مجھ سے بعض علماء سے بحث چھڑ گئی کہ آیا ملا محسن فیضؒ کی تفسیر صافی بہتر ہے یا شیخ بہائی کی شرح بیضاوی۔ کچھ طے نہ ہوا یہاں تک کہ دن گذرا رات آئی اور اسی فکر میں بستر پر پڑ گیا خواب میں شیخ بہائی کو ایک حجرہ میں بیٹھا ہوا پایا کہا چلو اچھا ہوا زیارت کرلوں گا اور کچھ بات چیت بھی ہوجائے گی۔ پاس پہونچا تو دیکھا کہ مرحوم بہائی چھوٹا سا عمامہ پہنے سر جھکائے ہوئے تشریف فرما تھے۔ میں نے سلام کے بعد کہا کہ آپ سے ایک امر کی تحقیق چاہتا ہوں جو آپ سے منسوب کیا جاتا ہے آیا یہ درست ہے یا صوفیاء نے غلط مشہور کر دیا ہے ان کا کہنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میری غذا پورے ماہ رمضان تک کلام مجید ہوتی تھی۔ شیخ مرحوم نے سر اٹھا کے کہا کہ ہاں یہ صحیح ہے میں نے کہا کہ سرکار اطباء کا کہنا ہے کہ انسان تین شبانہ روز کچھ کھائے پیئے نہیں تو مرجاتا ہے جیسے ہی میں نے یہ کہا شیخ نے سر کو بلند کر کے کرخت آواز میں فرمایا

''آدم نہیں مرتا''

معلوم ہوا کہ ابن آدم کو آدم بنانے والا اور ناقابل تصور و یقین شجاعت کے درجہ پر پہونچانے والا مہینہ رمضان المبارک ہے۔

مدحت عباسؑ

جناب حیدر زیدی اناوی صاحب (ایڈوکیٹ)

تذکرہ کرتے ہیں وہ شام و سحر عباسؑ کا
جانتے ہیں مرتبہ اہل نظر عباسؑ کا
بڑھتی جاتی ہے وفا کی معنویت دن بدن
ذہن انسانی میں جاری ہے سفر عباسؑ کا
اس نے بخشا یہ وفاداری کو حسنِ اعتبار
ہو گیا مخصوص یہ حرفِ ہنر عباسؑ کا
صبر و ایثار و شجاعت سے مزین اس کی ذات
اور وفا ہے اک تعارف مختصر عباسؑ کا
اب کبھی پانی پہ بندش کی صدا آتی نہیں
کیسا مستحکم ہے قبضہ نہر پر عباسؑ کا
گر ملے حیدرؔ سخن فہموں کا ایسا اجتماع
تذکرہ کرتا رہوں میں عمر بھر عباسؑ کا

تقلید کیا ہے......؟

آیت اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی النقوی طاب ثراہ

نظام زندگی میں تقلید کی کیا ضرورت ہے؟

انسان کے عملی فرائض

عقائد کے استحکام کا نمایاں نتیجہ اعمال و افعال میں ذمہ داری کا احساس ہے۔ بلوغ کے ساتھ ہی انسان پر یہ ذمہ داری سختی کے ساتھ عاید ہوگئی۔ شرع کے لحاظ سے یہ اب تک آزاد تھا اب مقید ہوگیا اب اس کی ہر حرکت و سکون، جنبش لب اور گردش نگاہ موقف حساب میں ہے قلم تکلف جاری ہوگیا ہے اور فرائض و اعمال کی سختی کے ساتھ نگرانی ہونے لگی ہے۔

اب سب سے پہلے جو نماز کا وقت آئے گا اس میں اس کو واجبی طور پر نماز ادا کرنا ہوگی اور نماز کے لیے صحیح طور پر طہارت لازمی ہوگی جس کے لیے بعض صورتوں میں غسل درکار ہوگا اور بعض صورتوں میں وضو لازم ہوگا۔ بہت آسان تھا اگر نماز اور طہارت کے تمام مسائل ہر حیثیت سے معین ہوتے اور ان میں کوئی اختلاف نہ ہوتا۔ یہ کوئی کتاب اٹھا لیتا اور جو کچھ اس میں لکھا ہوتا اس پر عمل کرتا مگر دشواری یہ ہے کہ مسائل میں اختلاف ہے اور مختلف علماء کے فتاوے آپس میں جداگانہ ہیں۔ پھر اب یہ کیا کرے کیونکہ عمل کرنے کے لیے تقلید کی ضرورت ہے۔

نظام زندگی میں تقلید کی ضرورت

تقلید کے متعلق اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہے بہت سے افراد اس کو پیری مریدی کی ایک چیز سمجھتے ہیں اور بعض اس کو ایک بلا ضرورت سی شے خیال کرتے ہیں حالانکہ اگر غور کیا جائے تو یہ بالکل فطری شے ہے جو دنیا کے ہر شعبہ میں کارفرما ہے اور کوئی چیز اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص ہر فن سے واقف نہیں ہوسکتا ہر چیز میں اس کے واقف کار ہوتے ہیں اور کچھ ناواقف، کوئی شبہ نہیں کرتا کہ ناواقف افراد ہمیشہ ضرورت کے وقت پر واقف کار لوگوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ آپ کا خدانخواستہ کوئی عزیز بیمار ہے اگر آپ خود طبیب ہیں تو بسا اوقات خود علاج کریں گے لیکن اگر طبیب نہیں ہیں تو ضرور کسی حکیم یا ڈاکٹر کے پاس جائیں گے، اس سے حال کہیں گے، وہ تشخیص مرض کرے گا، دوا تجویز کرے گا، آپ اس کے نسخہ پر عمل فرمائیں گے، وہ دوا لائیں گے اور مریض کو پلائیں گے۔ یہ تقلید نہیں تو کیا ہے!

آپ کو کوئی مکان بنوانا ہو انجینئر کے پاس جائیں گے، اپنے ضروریات اس سے بیان کریں گے وہ نقشہ بنائے گا، مصارف کا تخمینہ لگائے گا، آپ اسی کے مطابق عمل کریں گے۔ یہ تقلید ہی تو ہے!

آپ کو کوئی مقدمہ درپیش ہوتا ہے وکیل یا بیرسٹر کے پاس مسل لے جاتے ہیں مقدمہ کی روئیداد سناتے ہیں، وہ اس کے تمام پہلوؤں پر غور کرتا ہے، آپ اسی کی رائے کے مطابق کاغذات داخل

کرتے ہیں، گواہ تیار کرتے ہیں اور مقدمہ کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ سوائے تقلید کے کچھ اور نہیں ہے۔

یہی صورت ہر چیز میں ہے پھر جس قدر کسی معاملہ کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی اس میں سوجھ بوجھ اور انتخاب سے کام لینا پڑتا ہے۔ اگر کوئی معمولی مرض ہے تو جو حکیم بھی اس وقت سر دست موجود ہو اس کی طرف رجوع کر کے نسخہ لکھوا لیا لیکن اگر مرض پیچیدہ ہے تو کوشش ہوتی ہے کہ جو سب سے بڑا حکیم یا ڈاکٹر ہو اس سے علاج کروایا جائے۔ یوں ہی چھوٹا سا مکان بنوانا ہے تو کسی معمولی نقشہ نویس سے نقشہ مرتب کرالیں گے لیکن اگر کوئی عالیشان کوٹھی بنوانا ہو تو بڑے انجینئر کی تلاش ہوگی۔ کوئی مقدمہ بالکل معمولی ہے تو کسی معمولی وکیل سے رجوع کرلیں گے لیکن اگر بڑا مقدمہ ہے تو پھر فکر ہوگی کہ سب سے بڑے وکیل کی طرف رجوع کی جائے۔ حالانکہ غلطی کا امکان اس سے بڑے حکیم، کامل انجینئر اور وکیل میں بھی ہے اور اس لیے کبھی ان کے ہاتھوں میں ناکامی ہوتی ہے۔ مگر عقل کا فیصلہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے کوتاہی نہ ہونا چاہئے۔ اس کے بعد بھی اگر مضرت واقع ہوئی تو وہ قسمت سے متعلق ہے انسان کی اس میں کوئی خطا نہیں ہے۔

اب دیکھئے کہ احکام شرعیہ، یہ وہ چیز ہے جس سے انسان کی دین و دنیا دونوں وابستہ ہیں۔ اگر ہر شخص اتنا علم رکھتا ہوتا کہ خود تحقیق کر کے اور سمجھ کر رائے قائم کرے، تو بے شک تقلید کی ضرورت نہ تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر شخص مجتہد ہوتا اور ضرورت نہ تھی کہ وہ دوسرے کی رائے پر عمل کرے مگر عام نظام دنیا کی بنا پر یہ امر غیر ممکن ہے اور نہ شرع میں اس کا حکم ہے، کتنی ہی علمی ترقی ہوجائے پھر بھی دو طبقے رہنا ضروری ہیں، ایک صاحبان علم جو مسائل دینیہ کو خود سمجھ سکتے ہیں، دوسرے ناواقف عوام، یعنی جہال۔ اب یہ جہال افراد کیا کریں؟ کیا احکام شرعیہ سے ان کو بالکل بے نیاز سمجھ لیا جائے؟ اور انہیں بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا جائے؟ پھر جب یہ صحیح نہیں تو سوائے اس کے اور کیا صورت ہے کہ ناواقف لوگ واقف کار افراد سے رجوع کریں اور ان سے دریافت کر کے مسائل پر عمل کریں۔ اسی کا نام تقلید ہے۔

زمانۂ ائمہؑ میں تقلید کا وجود

یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ زمانۂ ائمہ علیہم السلام میں بھی موجود تھی۔ یہ ظاہر ہے کہ امامؑ کا قیام کسی ایک مرکز پر رہتا تھا۔ اسلام اور تشیع کا دائرہ بہت وسیع تھا اور دور دراز کے لوگ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کے ذمہ دار تھے۔ ہر ایک کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر براہ راست مسائل کو دریافت کرے اور علم شریعت کو حاصل کرے بلکہ کچھ افراد ایسے ہوتے تھے جو امامؑ سے مسائل دینیہ کا علم حاصل کریں اور اسے دوسرے ناواقف افراد تک پہنچائیں ظاہر ہے کہ احادیث ائمہؑ میں عمومات ہوتے تھے تخصیصات، مطلقات ہوتے تھے اور مقیدات، حقائق ہوتے تھے اور مجازات۔ عوام کو چاہے وہ اہل عرب ہی کیوں نہ ہوں ہرگز اس کا موقع نہیں ہے کہ وہ کسی حدیث کو سن کر آنکھ بند کر کے اس کے مفہوم پر عمل کرلیں۔ وہ اصحاب میں سے علماء شریعت ہی تھے کہ جو احادیث سے معنی اخذ کر کے نتیجہ علم یعنی احکام شرعیہ سے جہال کو واقف بناتے تھے۔ یہ وہی اجتہاد و تقلید ہے جس کا آج سوال درپیش ہے۔ خود راویان حدیث میں سے سب ایسے نہیں تھے جو ہمیشہ اپنے ذاتی علم پر عمل کریں اس لیے کہ بعض راوی تو ایسے ہیں جنہیں اتفاق سے کبھی ایک ہی موقع پیش آیا خدمت امامؑ میں حاضر ہونے کا اور اس وقت کوئی بات انہوں نے نقل کر دی لیکن وہ رواۃ جو بہت زیادہ خصوصیت رکھتے تھے وہ بھی ہر وقت ہر

موقع پر موجود نہیں رہتے تھے۔ امامؑ کا سلسلۂ فیض برابر جاری تھا یقیناً بہت سے مسائل حضرت ان کی غیبت میں بیان فرماتے تھے ان مسائل کی معرفت کا ذریعہ ان رواۃ کے لیے جو اس وقت موجود نہ تھے ان رواۃ کا بیان ہی ہوسکتا تھا جو اتفاق سے اس موقع پر حاضر تھے پھر یہ ظاہر ہے کہ نقل الفاظ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے اس کے لیے بڑے حافظہ کی ضرورت ہے۔ حقیقتاً نقل بالمعنی ہی ہے جس کے ذریعے سے روایات منتشر ہوتے ہیں۔ یہ نقل بالمعنی ظاہر ہے کہ خود راوی کے فہم واستنباط پر مبنی ہے اور جو کچھ وہ سمجھتا ہے اسی کو دوسروں تک پہنچاتا ہے۔ وہ دوسرے بزرگ جو اس روایت کو سن کر عمل کرتے ہیں وہ اس کے فہم و استنباط پر اعتماد ہی تو کرتے ہیں۔ یہ تقلید نہیں تو اور کیا ہے!!

بقیہ انسان کامل......................

سیاسی زندگی میں پیغمبر کی عملی شمولیت، آئندہ نسلوں اور پیروان اسلام کے لئے پیغمبر کی ذات کو ایک نمونہ بنا کر پیش کرتی ہیں۔ دراں حالیکہ دوسرے مذاہب میں ایک مذہبی پیشوا کو خدائی عنصر قرار دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی ذات اس مذہب کے پیروؤں کے لئے نمونہ نہیں بن سکتی اس کے برعکس پیغمبر اسلامؐ کی ذات تمام انقلابی مسلمانوں کے واسطے قیامت تک کے لئے ایک نمونہ ہے۔ دنیا کے کسی حصہ اور کسی زمانہ کے اسلامی انقلاب میں کوئی ایسا مرحلہ نہیں ہے جس کے لئے پیغمبر اسلامؐ کی زندگی نمونہ نہ ہو۔ انہوں نے ہر دور اور ہر زمانے میں اسلامی انقلاب کے لئے ایسا نمونہ پیش کیا ہے جو آئندہ ہر دور اور ہر زمانے میں قابل تقلید ہے۔

قرآن

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر تم نیک لوگوں کی زندگی، شہیدوں کی موت، قیامت کے ہول وحسرت سے نجات، عرصۂ محشر کی دھوپ سے پناہ اور لغزش وگمراہی میں ہدایت چاہتے ہو تو قرآن کا پڑھنا سیکھو کیونکہ یہ رحمٰن کا کلام ہے جو شیطان سے بچنے کے لیئے سپر ہے اور میزان عمل کی گرانی کا باعث ہے۔

امام صادقؑ نے فرمایا: جس نے قرآن پڑھا یا پڑھایا اور اس پر عمل کیا میں اسے جنت میں پہنچانے کا ضامن ہوں۔

تجارت

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں پر بعض وقت ایسا آجاتا ہے کہ اپنے پروردگار کی شکایت کرتے ہیں اور مثلاً کہتے ہیں: خدا کی قسم میں نے فلاں دن سے اب تک کوئی منافع نہیں کمایا اور پورا وقت اپنے سرمائے سے کھاتا رہا ہوں۔ انہیں کیا ہو جاتا ہے؟ کیا انہیں سرمایہ خدا نے نہیں دیا؟''

امام صادقؑ نے فرمایا: تین گروہ ایسے ہیں جو بغیر حساب کے بہشت میں داخل ہوں گے۔ ۱۔ عادل رہنما -۲ سچا تاجر -۳ اور وہ بوڑھا آدمی جس نے اپنی عمر خدا کی اطاعت میں انجام کو پہنچائی ہو۔

قصیدہ

آیۃ اللہ العظمیٰ اعلم العلماء حکیم سید سبط حسین صاحب نقوی جائسی طاب ثراہ

بہار آتے ہی تازہ ہو گیا پھر داغ تنہائی
جگر میں درد اٹھا چوٹ مدت کی ابھر آئی
یہ کس یوسف کی بیٹھے بیٹھے ہم کو یاد آج آئی
کہ سو ٹکڑے ہوا اک چاک دامان شکیبائی
بس اتنا یاد ہے جب لی تھی اس نے ہنس کے انگڑائی
تو دل تھامے مرے منھ تک مری آہ رسا آئی
کوئی کہہ دے کریں گلشن میں گل بھی جلوہ آرائی
قدم دھلوا کے شبنم سے عروس نو بہار آئی
جسے دیکھو گلستاں میں سبق آموز الفت ہے
ادھر سبزے نے کروٹ لی ادھر بیلوں نے انگڑائی
صدا الحمد کی آتی ہے اوراق گل تر سے
لب جو اتفاقاً گر کسی غنچہ کو چھینک آئی
عرق آیا کسی غنچہ کے ماتھے پر جو گلشن میں
پسینہ پونچھنے پھولوں کے دامن سے ہوا آئی
نسیم صبح گلشن آج سر پر ہر گل تر کے
ڈوپٹے ہلکے ہلکے جا کے شبنم کے اوڑھا آئی
ملک بھی دیکھتا رہتا ہے رنگ محفل خوباں
ادھر زلف سیہ بکھری ادھر کالی گھٹا آئی
پلا دے بادۂ گل رنگ ساقی آج رندوں کو
کہ ہر چھینٹے میں خیبر کی نظر آئے صف آرائی
بہت کیں کوششیں لڑنے میں اصحاب پیمبرؐ نے
کسی صورت سے نوبت فتح خیبر کی نہ جب آئی
ہزیمت پر ہزیمت لشکر اسلام نے پائی
سپہ سالار لشکر کی شکایت متصل آئی
ہوئے لڑنے سے سرداران لشکر بھی ادھر عاجز
تو حضرتؐ نے زبان وحی سے یہ بات فرمائی
کہ کل بھیجوں گا اس کرار کو میدان خیبر میں
محمدؐ جس کا عاشق ہے، خدا ہے جس کا شیدائی
رسولؐ اللہ اٹھ بیٹھے بس اتنا کہہ کے محفل سے
کسی کے نام نامی کی نہیں تصریح فرمائی
مگر سمجھے وہ جو حیدرؑ کے تھے دل سے تولائی
نبیؐ کو ایک مہجور وطن کی یاد آج آئی
چمن پیرائے فطرت، مظہر اسرار ربانی
شہنشاہ نجف، مہر سپہر مسند آرائی
عماد الاتقیاء شیرازہ بند عالم امکاں
سریر آرائے قدرت، صاحب اکلیل دارائی
ابوالہیجا، امیر النحل، حیدرؑ، فاتح خیبر
ابوطالبؑ کا پیارا، صاحب معراج کا بھائی

ضربت حیدر

حسان الہند مولانا سید کامل حسین نقوی کامل جائسی

مٹی نہیں کائنات ہستی کوئی ترس دل پہ کھا رہا ہے
خرد شکن منظر نظر ہے مگر مجھے ہوش آرہا ہے

یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے پیہم کہیں نہ ہو طور کا سا عالم   جھکا لے سر طاقت نظارہ کہ کوئی جلوہ دکھا رہا ہے
ہے قصۂ طور کوئی قصہ کہ دیکھ کر بھی نہ جیسے دیکھا   چراغ سینائے نامرادی ابھی تلک جھلملا رہا ہے
گھٹی ہوئی دل کی طاقتوں میں جنون نظارہ کیوں ہے پیدا   کلیم جس کو سلا چکے ہیں کوئی اسے کیوں جگا رہا ہے
یہ پردہ پوشی سے فائدہ کیا تجلیاں گھٹ کے کب رہی ہیں   حریم کعبہ اگر چھپا ہے فروغ کعبہ بتا رہا ہے
جواہر مدح ٹک رہے ہیں علیؑ کا خلعت سجا رہا ہے   زبان پر ہے حدیث خیبر رسول رایت بلا رہا ہے
رجل کہا اور بھر دی طاقت پھر اس پہ کرار کی فضیلت   جو غیر فرار کہہ دیا ہے تو سرد خوں جوش کھا رہا ہے
بلند ہو کر نشان اعظم کسی کی آمد کا منتظر ہے   علم کا پنجہ لچک لچک کر کسی کو جیسے بلا رہا ہے
زباں پہ ناد علیؑ ہے جاری گئے ہیں سلمان کس کو لینے   جسے بلایا تھا شام اسرا وہ آج کس کو بلا رہا ہے
یہ باب خیبر ہے بند ہو کر عدو کے دل کر بڑھا رہا ہے   جو کھینچ لے چرخ سے ستارہ کھڑا ہوا مسکرا رہا ہے
شباب میں رنگ بھر رہے ہیں ابھر کے خال و خد شجاعت   کمر شکستہ ہے دیوگردوں کہ عکس ضربت اٹھا رہا ہے
جو باڑھ پر تیغ کا ہے پانی ہے خون اعدا میں وہ روانی   لہو کا دھارا پھوار بن کر فلک پہ غازہ لگا رہا ہے
سما گلابی سمک گلابی فضا گلابی فلک گلابی   فلک سے سب عرش تک گلابی جہاد عیدیں منا رہا ہے
بہاؤ پر ہے سخن کی کشتی کہ بادباں شہپر ملک ہیں   یم فضائل کا تیز دھارا جدھر مڑوں ساتھ آرہا ہے
ملک سے ہوتا ہے ترک اولیٰ کہ سہل سمجھا ہے ضرب حیدر   جو وزن ضربت کے تولنے کو پروں کو اپنے جھکا رہا ہے
تلی نہ جبرئیل سے جو ضربت بروز خندق نبی نے تولی   بیان ماینطق کا ضامن نبی کے منہ سے سنا رہا ہے
تمام جن و بشر کی طاعت سے ایک ضربت گراں ہوئی ہے   رسول وحی خدا کو سن کر ہمیں یہ مژدہ سنا رہا ہے
''الی القیامۃ'' کی لفظ کہہ کر کیا ہے میزاں کی حد سے باہر   یہ وہ عمل ہے کہ علم باری الگ ترازو بنا رہا ہے
ہے لفظ افضل بھی کتنی مجمل کہ ہے یہ تصریح کتنی افضل   دل انبیاء نہ ٹوٹ جائیں نبی فضیلت دبا رہا ہے

چودھویں کا چاند

در مدح امام منتظر علیہ السلام مولود نیمۂ شعبان

سید الواعظین مولانا سید وجاہت حسین نقوی ناظمؔ اجتہادی طاب ثراہ

بہار آئی بڑہیں طغیانیاں خون رگ جاں میں
کیا لنگر جہاز دل نے بحر مے کے طوفاں میں

بشوق بادۂ شبنم وہ غنچوں نے جماہی لی
وہ لیں انگڑائیاں بیلوں نے آغوش گلستاں میں

چلی ٹھنڈی ہوا زنجیر دیوانوں نے کھڑکائی
بہار آئی نزاعیں چھڑ گئیں دست و گریباں میں

شب مہتاب ہے ساقی نہ ترسا بادہ خواروں کو
ہے لطف بادہ پیمائی ضیائے ماہ تاباں میں

کلف سمجھے کوئی مہتاب میں ہم تو یہ کہتے ہیں
ہے بھاپ اٹھتا ہوا ساغر کف موسیٰ عمراں میں

وہ مہ کش ہوں کہ ہے ہر سرزمیں پر میکدہ میرا
نجف میں سامرے میں کربلا میں اور خراساں میں

حرارت سے بنی مینائے مے انگور کے دانے
اثر ہے کس قیامت کا نگاہ گرم رنداں میں

ذرا اے کاتب اعمال بد دیکھ ان گھٹاؤں کو
لکھے گا آج کی بھی مے کشی کیا فرد عصیاں میں

سمائے جاتے ہیں آنکھوں میں ہلکے رنگ پھولوں کے
نگاہیں لوٹتی پھرتی ہیں سبزہ پر گلستاں میں

گلستاں میں زمرد گوں قبا پہنی ہے سبزہ نے
رنگا ہے گل نے جامہ سرخیٔ لعل بدخشاں میں

رہا گر قوت نشو و نما میں زور ایسا ہی
عجب کیا ہے جو پھوٹیں کونپلیں خار مغیلاں میں

رگ گل میں جو ہے سیلان خون اس کا تعجب کیا
لہو دیدے اگر چبھ جائے کانٹا شاخ مرجاں میں

بہ فیض نامیہ اک سنبلستاں لہلہا اٹھا
اگر اک موئے گیسو گر گیا صحن گلستاں میں

خزاں خوردہ درختوں سے تراوٹ پھوٹ نکلی ہے
ہوا نے پھونک دی ہے روح گویا جسم بے جاں میں

حسیں گلگشت کو ہمجولیوں کے ساتھ نکلے ہیں
پڑے ہیں رخ پہ گیسو جارہے ہیں سنبلستاں میں

جو ہمسن ہیں وہ ڈالے گردنوں میں ہاتھ پھرتے ہیں
جو کمسن ہیں وہ جگنو باندھتے پھرتے ہیں داماں میں

کوئی گل چن کے کہتا ہے کہ ہم گجرے بنائیں گے
کوئی کہتا ہے ہم لے جائیں گے گور غریباں میں

چلو ناظمؔ ذرا ہم بھی وہاں کا لطف دیکھیں گے
خبر بھی ہے؟ اندھیرا ہو گیا صحن گلستاں میں

حسینوں کے بھی ڈیرے اٹھ گئے گلشن میں اب کیا ہے
وہاں تصویر عبرت بھی کھنچے گی چشم حیراں میں

چنے لیتا ہے کوئی پھول تربت کے بھی شوخی سے
ہوا دیتا ہے دامن سے کوئی شمع فروزاں میں

کوئی پہچانتا پھرتا ہے ذرے خاک عاشق کے
کوئی دل ڈھونڈتا پھرتا ہے اجزائے پریشاں میں

کوئی حسرت سے رو کر قبر عاشق پر یہ کہتا ہے
بس اب اٹھ تیری صورت پھر رہی ہے چشم گریاں میں
ہوائے روزن تربت سے شمع کشتہ جل اٹھی
ابھی تک یہ اثر باقی ہے تیری آہ سوزاں میں
خفا مجھ سے نہ ہو جو کچھ ہوا بچپن کی وہ ضد تھی
ندامت سے سر اپنا اب تو ڈالے ہوں گریباں میں
تڑپنا تیرا شام ہجر میں جب یاد آتا ہے
توشانہ بھی نہیں کرتے ہیں ہم زلف پریشاں میں
تجھے کچھ وہم بھی آتا نہیں اتنا تو کہہ منہ سے
کہ دونوں وقت ملتے آئے کیوں گور غریباں میں
بہت سویا ذرا اب اٹھ کے دیکھ اس رات کا منظر
چراغاں ہو رہا ہے خیمۂ گردون گرداں میں
شب آدینہ کہتے ہیں جسے وہ آج کی شب ہے
سویدا بن گئی ہے جو کہ قلب ماہ شعباں میں
وہ شب زلف زلیخا کی سیاہی جس سے شرمائے
وہ شب کاجل لگا آئے جو چشم ماہ کنعاں میں
کبھی بڑھ کر نظیر کاکل محبوب بنتی ہے
سمٹ کر خال بنتی ہے کبھی رخسار جاناں میں
جلائے گا دم رفتار جو مردوں کو ٹھوکر سے
ولادت آج ہی کی شب ہے اس کی بزم امکاں میں
ابھی ہلکا سا پردہ ہے اگر تو چل تو دکھلا دوں
چمک ماہ امامت کی شب زلف پریشاں میں
مگر ہاں نزع نے تجھ کو تو بے حس کر دیا ہو گا
نہ ہوگی قوت جنبش بھی تیرے جسم بے جاں میں
ابھرتی ہی نہیں تادیر اب ڈوبی ہوئی نبضیں
یہ حالت ہو گئی ہے انتظار دید جاناں میں
ہوئے ہیں چارہ گر بے دست و پا کچھ بن نہیں پڑتا
کہ اب چھننے لگے پانی کے قطرے تک رگ جاں میں
اگر کچھ ہوش آتا ہے تو یہ گھبرا کے کہتا ہے
کہ کتنی دیر اب باقی ہے صبح شام ہجراں میں
غم فرقت میں رونے سے کوئی گر منع کرتا ہے
تو موجیں مارتا ہے بحر ابیض چشم گریاں میں
نصیحت کوئی کرتا ہے تو برہم ہو کے کہتا ہے
نہ مانوں گا نہ مانوں گا میں جب تک جان ہے جاں میں
اجی ہاں ٹھوکریں کھایا کریں گے ہم تمہارا کیا
بڑے آئے نہ جانے دینے والے کوئے جاناں میں
مجھے کیا ہوش میں لاؤ گے تم خود ہوش میں آؤ
میں ہوں مخمور عشق حضرت مہدیؑ دوراں میں
ادا حق رقابت وعظ کے پردہ میں کرتے ہو
تمہارا آپ دل الجھا ہے اس کی زلف پیچاں میں
چلو اے واعظو! دل نذر دو دربار جاناں میں
محبت اس کی شامل ہو گئی اجزائے ایماں میں
دل آیا شاہد اسلام کے بچپن کی صورت پر
جوانی کی ادائیں مل گئیں مذہب کے ارکاں میں
وہ ہے محفوظ لوح دل پہ جو سر امامت ہے
جو کہہ ڈالا ہے لوگوں سے وہ ہے آیات قرآں میں
وہ ابھرا مصحف عارض پہ خط بن کر جواب اس کا
عریضہ میں نے اک ڈالا تھا جو چاہ زنخداں میں
شب پیدائش نور خدا اور چاند میں دھبہ
نہیں ہر گز یہ بات آنے کے قابل عقل انساں میں
بطور یادگار مہدیؑ دیں صبح فطرت نے
شب میلاد کا فوٹو لیا ہے ماہ تاباں میں

ریحانۃ الہند

ابوالبراعہ سیدالمتکلمین علامہ سید ظفر مہدی نقوی گہر جائسی طاب ثراہ

قال امیر المومنین علیہ السلام

''**کن فی الفتنۃ کابن اللبون لا ظھر فیرکب ولا ضرع فیحلب**'' ایام فتنہ وفساد میں اس طرح ہو جیسے وہ اونٹ کا بچہ ہوتا ہے جو دو سال اپنی عمر کے ختم کر کے تیسرے سال میں داخل ہوتا ہے اس کی ماں اس مدت میں غالباً دوسرے بچہ کو دودھ پلانے لگتی ہے اسی وجہ سے ماں ''لبون'' اور بچہ ''ابن لبون'' کہا جاتا ہے۔ نہ اس کی پشت ایسی قوی ہوتی ہے کہ سواری کی جائے نہ اس کے تھن ہی ہوتے ہیں تا کہ اس کا دودھ دوہا جائے۔

مراد تجھ کو فتنہ میں بالکل بے تعلق ہونا چاہیے نہ خود اس میں شریک ہو نہ دوسرے کو مدد پہونچا۔

زمانہ فتنۂ خوابیدہ کو جگائے اگر
بدل دے رنگ جہان آسمان بازی گر
ہر ایک سمت عیاں ظلمت جہالت ہو
نزاع کرنے میں لوگوں کی ایک حالت ہو
نہ کوئی صاحب حق ہو نزاع والوں میں
فقط امنگ ریاست کی ہو خیالوں میں
تھا جیسے فتنہ ابن زبیر و عبد ملک
نہ ان میں تھا کوئی راہ صواب کا سالک
یوہیں تھا فتنہ حجاج و ابن اشعث بھی
یوہیں نزاع تھی ضحاک اور مرواں کی
دکھائے حال جہاں یوں اگر کبھی تقدیر
تو اس میں حکم یہ فرماتے ہیں جناب امیرؑ
نہ اپنے نفس کو کرنا شریک اہل جفا
نہ اپنے مال سے کوئی مدد انہیں پہونچا
ہو مثل بچۂ ناقہ نہ تجھ سے کچھ حاصل
نہ وہ سوار کے لائق نہ شیر کے قابل
مگر سمجھ لے کہ صفین و کربلا و جمل
ہر ایک ان میں سے تھی جائگاہ حسن عمل
زمان فتنہ نہ تھی جنگ ان مقاموں کی
ہر اک پہ فرض تھی امداد ان اماموں کی
علیؑ تھے حق کے لئے اور حق برائے علیؑ
حدیث مصطفوی سے یہ مدعا ہے جلی
یوہیں حسین تھے فرمانروا زمانے پر
سر ملک بھی تھا خم ان کے آستانے پر

در مدح سقائے حرم قمر بنی ہاشم حضرت ابوالفضل العباس علیہ السلام

سید تنویر مہدی نقوی تنویرؔ نگروری

ہے مری فکر ترے زیر قیادت عباسؑ
کیا عجب پالے جو معراج کی عظمت عباسؑ

فکر چھولے جو ترے پائے فضیلت عباسؑ
لب پہ کھلنے لگیں گل ہائے عقیدت عباسؑ

خود ہی بڑھ جاتی ہے اس بزم کی زینت عباسؑ
جس میں مداح تری کرتے ہیں مدحت عباسؑ

کب ہے مدحت کے عوض خواہش جنت عباسؑ
ورنہ جنت تو ہے اک بیت کی قیمت عباسؑ

کیوں نہ ہو ذات تری نازش عصمت عباسؑ
ایک معصوم پڑھے تیری زیارت عباسؑ

زیب بھی دیتی ہے تجھ پر یہ فضیلت عباسؑ
ہے وفاؤں کی جو کردار میں نکہت عباسؑ

شمر سے وہ ترا انداز خطابت عباسؑ
جیسے قرآن میں کافر کو نصیحت عباسؑ

ایک ایک باب میں سو باب نظر آنے لگے
جب کبھی کھولا ترا باب فضیلت عباسؑ

دو گنا قوت شبیر نہ کیوں ہو جائے
بازوئے شہہ پہ ہیں تعویذ شجاعت عباسؑ

تو وفاؤں کا پیمبر ہے رسالت کی قسم
اور یہ قوم وفا ہے تری امت عباسؑ

ماں نے گھٹی میں پلائی تھی اسی سے اب تک
ہے وفا کی ترے کردار میں نکہت عباسؑ

ہاتھ کٹوا دئے اس واسطے شاید تم نے
کیوں کہ ٹھوکر میں تمہیں رکھنی تھی بیعت عباسؑ

تو نے چاہا تو سمٹ آیا ترے چلو میں
سامنے تیرے یہ دریا کی حقیقت عباسؑ

آکے اے مہدئ دوراں بس اشارہ کر دو
اب بھی ہیں منتظر اذن امامت عباسؑ

بچ گئے تھے جو کبھی تیغ علی کی زد سے
کانپ اٹھے آج تری دیکھ کے صورت عباسؑ

اک نظر دیکھ لیں آنکھیں مری روضہ تیرا
چاہے چھن جائے پھر آنکھوں کی بصارت عباسؑ

مشکلیں اس لئے ڈرتی ہیں مرے پاس آتے
میں کہیں آپ سے کردوں نہ شکایت عباسؑ

پڑھ لی تنویرؔ نے یوں تیری نماز مدحت
رکعتیں ہو گئیں اشعار کی صورت عباسؑ

خبرنامہ

نامہ نگار:-اعجاز رضوی جائسی

اپنے بچوں کو اسلامی تعلیم دے کر امام علیہ السلام کے استقبال کے لئے تیار کریں

......مولانا کلب جواد صاحب

لکھنؤ ۱/اکتوبر: شہر کی مقدس درگاہ حضرت عباسؑ کو اپنی ملکیت بتا کر وقف بورڈ پر مقدمہ قائم کرنے والوں کو متنبہ کرتے ہوئے مولانا کلب جواد صاحب نے کہا کہ جب تک اس مسئلہ کا حل علماء کی شرعی عدالت سے ان کے حق میں نہ ہوجائے، اسے کسی بھی صورت میں اپنی ملکیت نہ قرار دیں۔

آج جمعہ کے موقع پر شیعہ قائد مولانا کلب جواد صاحب نے تاریخی آصفی مسجد میں موجود ہزاروں لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ بات کسی کو بھی نہیں معلوم کہ یہ مقدس درگاہ کسی خاص گھرانے کی ہے اور اس کا چڑھاوا افراد خاندان میں تقسیم ہوتا ہے۔ جب کہ آنے والا زائر حضرت عباسؑ کی خدمت میں نذرانہ پیش کرتا ہے کسی خاندان کو نہیں۔ اسی لئے اس سنجیدہ اور اہم مسئلہ کا جب تک شرعی حل علماء کی عدالت سے نہ ہوجائے اسے اپنانہ کہیں کیونکہ اس سے عقیدت مندوں کی دل آزاری ہوسکتی ہے۔

مولانا نے کہا کہ حالانکہ تاریخ کی روشنی میں درگاہ کی جگہ پر کسی زمانہ میں فقیرا نامی شخص تعزیہ رکھتا تھا جس کی زیارت کی غرض سے بادشاہ وقت بھی گیا تھا جہاں اس کی مراد پوری ہوئی تھی جس سے خوش ہوکر بادشاہ نے اس زمین کو درگاہ کی تعمیر کے لئے دیا تھا جو آج بھی اتنی ہی محترم ومقدس ہے۔

مولانا نے موجود لوگوں کو پندرہ شعبان کی مبارکباد دیتے ہوئے اپیل کی کہ وہ زیادہ سے زیادہ اسلامی تعلیم حاصل کرکے اپنے آخری امامؑ کے استقبال کے لئے خود بھی تیار رہیں اور بچوں کو بھی تیار رکھیں تبھی دنیا وآخرت کی سعادت حاصل ہوگی۔ انہوں نے آج کی تاریخ کو افضل اور نہایت خوشی کا دن بتاتے ہوئے کہا کہ ہمیں عبادت کے ذریعہ اپنے گناہوں کی تلافی کرنی چاہیئے نہ کہ پٹاخے بازی کرکے وقت اور پیسوں کی بربادی۔ کیونکہ کچھ لوگ اپنے اسی عمل کو عبادت پر فوقیت دیتے ہیں جو غلط ہے۔ اس سے باز آئیں اور اس تاریخ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے اپنے اعمال سے دنیا کے سامنے اس کی صحیح تصویر پیش کریں۔

یمن میں شیعہ عالم مولانا حسین حوثی اور ان کے چارسو حامی شہادت کے گھاٹ اترے

انگریزی روزنامے عرب نیوز نے صفا سے خبر دی ہے کہ ۱۰ ستمبر کو یمن کی فوجوں نے انقلابی شیعہ عالم حسین بدرالدین الحوثی (یا الحوثی) کی موت کے ساتھ ان کی دس ہفتہ سے جاری شمالی یمن کی پہاڑیوں میں تحریک کو دبا دیا۔ اس مہم میں چارسو آدمی کام آئے۔ افسروں کا کہنا ہے کہ شیعہ واعظ بہت تڑکے ہوئی ایک مڈبھیڑ میں سادہ صوبہ کے پہاڑی علاقہ میں صفا سے ۲۵۰ کلومیٹر شمال میں واقع ماران ضلع میں شہید ہوئے۔

حوثی کی مہم ۲۱ رجون کو شروع ہوئی جب حفاظتی دستوں نے انہیں گرفتار کرنے کی کوشش کی۔ تب سے حکومت نے بھاری بھرکم ایک اجتماعی اقدام کیا جس میں ٹینک، فوج اور ہوائی جہاز کا استعمال حوثی کے حامیوں کے خلاف پہاڑی علاقوں میں کیا۔ (بشکریہ توحید میل)

ماہ مبارک رمضان میں درس قرآن کا اہتمام

مولانا کلب جواد صاحب کے زیر سرپرستی حسینیہ حضرت غفرانمآبؒ میں درس قرآن کا اہتمام کیا گیا ہے۔ جس میں تدریس کے فرائض مولانا سید مراد رضا صاحب (پٹنہ) انجام دے رہے ہیں۔ جس میں کافی تعداد میں نوجوان انتہائی دلچسپی کے ساتھ شرکت کررہے ہیں اور تعلیمات قرآنی سے مستفید ہورہے ہیں۔

یہ سلسلہ یکم رمضان المبارک سے آخری رمضان المبارک تک جاری رہے گا۔ اس درس قرآن میں نوجوانوں کی تشویق کے لئے روزانہ قرعہ اندازی کے ذریعہ قرآن مجید پیش کیا جاتا ہے جو انسانی زندگی کی کردار سازی کے لئے ایک بہترین تحفہ ہے۔

درگاہ حضرت عباس کمیٹی کے عہدیداران علماء کے ساتھ مل کر مسئلہ حل کریں

لکھنؤ ۸ر اکتوبر: تاریخی آصفی مسجد میں حسب معمول مولانا کلب جواد صاحب نے سیکڑوں بندگان خدا کی موجودگی میں شریعت اور احکام خداوندی کی تبلیغ کرتے ہوئے خطبۂ جمعہ کے دوران کہا کہ درگاہ حضرت عباسؑ کے معاملہ پر عوام کی ناراضگی کو دور کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے وہ ہے درگاہ کمیٹی کے عہدیداران کی علماء کی موجودگی میں میٹنگ ہو۔

انہوں نے کہا درگاہ معاملہ پر بحث ومباحثہ یا بیان بازی اور مراسلوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ انہوں نے مزید کہا کیونکہ یہ ایک شرعی مسئلہ ہے اور شرعاً یہ ضروری ہے کہ عوام کو معلوم ہو کہ وہ جو بھی نذرانہ دیتے ہیں اس کو کہاں اور کیسے صرف کیا جارہا ہے اور خاندان میں مذکورہ نذرانہ کا تقسیم ہونا شرعاً غلط ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے جو کمیٹی کے عہدیداران کی میٹنگ کی صلاح دی تھی اس پر ابھی تک کوئی کارروائی عمل میں نہیں آئی ہے۔

آخر میں مولانا نے ماہ شعبان کی اہمیت وافادیت اور اس کو ماہ رمضان المبارک کی تیاریوں کا مہینہ بتاتے ہوئے کہا کہ مومنین کو چاہئیے کہ اس مہینہ میں زیادہ سے زیادہ عبادت خداوندی میں مشغول رہیں اور اس طرح خدا کے مہینے رمضان المبارک کے لئے روحانی طور پر آمادہ ہوجائیں۔

امام زمانہؑ کے لشکر میں ظالم شامل نہیں ہوسکتا: مولانا کلب صادق صاحب

لکھنؤ ۸ر اکتوبر: ہندوستان کی قدیم ترین امام بارگاہ حسینیۂ حضرت غفرانمآبؒ میں حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی ولادت باسعادت کے موقع پر ایک محفل مقاصدہ بعنوان ''**بزم انتظار**'' قائد ملت جعفریہ مولانا سید کلب جواد نقوی کی سرپرستی میں منعقد کی گئی۔ اس موقع پر مفکر اسلام مولانا ڈاکٹر کلب صادق صاحب نے امام زمانہؑ کی زندگی پر روشنی پر ڈالتے ہوئے مسلکی اتحاد پر زور دیا۔ اور کہا کہ دنیا ہمارے اختلافات کو جان بوجھ کر اچھال رہی ہے جبکہ ہمارے اختلافات سمندر کی سطح پر اٹھتی ہوئی لہروں کی طرح ہیں کہ سطح پر سب آپس میں ایک دوسرے سے دست وگریباں رہتی ہیں مگر سطح کے نیچے سمندر بالکل پرسکون ہوتا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے درمیان اختلافات بھی ظاہری اور سطحی ہیں اور آپس میں سب ایک دوسرے کے ساتھ ہیں ورنہ اگر آپس میں متحد نہ ہوتے تو آج بی۔ جے۔ پی کا صفایا نہ ہوتا۔

انہوں نے کہا کہ قدرت نے تمام مخلوقات بشمول حشرات الارض کے رزق کا اہتمام کیا ہے لیکن آج انسان ہی دوسرے انسان کا رزق ہڑپ رہا ہے اور اپنے ہی بھائی کو اس کے حقوق سے محروم کررہا ہے۔

موصوف نے وجود امام عصرؑ اور مسئلہ غیبت پر عقلی بحث کرتے ہوئے کہا کہ بارہویں امامؑ کو خدا نے مصلحت کی بنا پر پردۂ غیب میں رکھا ہے اور جب اس کی مصلحت ہوگی تو ظہور فرمائیں گے اور زمین سے ظلم کا خاتمہ کریں گے۔

آخر میں مولانا نے حکومت امامؑ کا تذکرہ کرتے ہوئے آپؑ کے لشکر میں شامل ہونے والوں کی خصوصیات بتائیں اور کہا کہ امامؑ کے لشکر میں شامل ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اس نے کسی دوسرے انسان پر کسی بھی طرح کا ظلم نہ کیا ہو کہ ظالم کبھی امامؑ کے لشکر میں شامل نہیں ہوسکتا کیونکہ امامؑ دنیا سے ظلم وجور کو مٹانے کے لئے آئیں گے نہ کہ ظالم کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے۔

تقریر کے بعد منظومات کا سلسلہ شروع ہوا جس میں ملک کے مشہور شعراء کرام نے حضرت حجتؑ کی خدمت میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔

محفل کے اختتام پر مولانا کلب جواد صاحب نے علماء، شعراء اور سامعین کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

یہ محفل باہمکاریٔ خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران غفرانمآبؒ انتظامیہ کمیٹی کی جانب سے ہوئی۔